متاعِ فقر و دانش

دربار باباجی صاحبؒ

(تاریخ کی روشنی میں)

تحقیق: کے، ڈی، ملتی

حصّہ دوم

امیر القوم الحاج حضرت میاں نظام الدین لارویؒ

عرف حاجی باباصاحبؒ

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان
۲۵۲	عُرس شریف	۲۱۷	۱۹۶۵ء میں حضرت موصوف سے منسوب ایک حیران کن واقعہ

سجادہ نشین میاں نظام الدّینؒ

روایت ہے کہ جب بھی کسی قوم پر ظلم و جبر کی انتہا ہو جاتی ہے تو اللہ اُن لوگوں میں ایسی شخصیت کو پیدا کرتا ہے۔ جو بے زبانوں کی زبان اور بے وسیلوں کا وسیلہ بن کر اُن کی رہبری اور پذیرائی کرتی ہے دینی اور دُنیاوی مسائل سے نجات دلاتی ہے۔ میاں نظام الدّین لاروی ؒ کا ظہور بھی اُس دور میں ہوا جب ریاست جموں و کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں آباد اقتصادی لحاظ سے بچھڑے ہوئے پسماندہ قبائل اور ان کی ہمسایہ برادریوں کے لوگ شخصی نظام کی چکّی میں بُری طرح پس رہے تھے۔ آپ نے اُن دبے کچلے، غلام در غلام مجبور اور محکوم لوگوں کو جہاں اُن کے کھوئے ہوئے حقوق کو بحال کرنے کے لئے زبردست جدوجہد کی وہیں اُن کے دلوں کو دین کے نُور سے پُرنور کیا۔ اور اُن کے گھر خوشیوں سے بھر دیئے۔ حاجی بابا صاحب ؒ کا اپنے لوگوں میں وہی مقام ہے جو ستاروں میں چاند کا ہوتا ہے۔ جب یہ چاند چاہنے والوں کی زندگی کے اُفق پر طلوع ہوا تو اس کی چاندنی تمام غریب اور بے سہارا طبقوں تک پھیلتی گئی اور تاریکیاں سمٹتی چلی گئیں۔ کیونکہ ایک مُبلغ کی صورت میں آپ کی ذات گرامی کسی خاص فرقے، طبقے یا گروہ تک محدود نہ تھی۔ بلکہ دین اسلام کے وسیع تناظر میں اخوت، برابری اور مساوات پر پھیلی ہوئی تھی۔ جس کے باعث آپ انسانی جذبوں اور قدروں کے علمبردار اور پاسدار تھے۔ ایک سالک صوفی کے ناطے آپ کی محبت اور مروّت کُل عالم اور بنی نوع انسان کے لئے تھی۔ ایک ولی اللہ کی شکل میں آپ کی برکتیں، رحمتیں نوازشیں سب کے لئے تھیں۔ ایک رہبر اور رہنما کی حیثیت سے آپ غریبوں، بے سہاروں بچھڑے ہوئے پسماندہ لوگوں، محکوم اور دبے کُچلے عوام کے لئے مسیحا اور آس و اُمید کی ایسی کرن تھے۔ جو تاریکیوں کو مٹا کر انھیں روشن مستقبل دکھا رہی تھی۔ اسی لئے آپ نے زندگی کے آرام و آسائش کو اُتار پھینکا اور دینی و دُنیاوی خدمت کے جذبہ کو اوڑھ کر میدانِ عمل نکل آئے پھر ایک ہاتھ میں دین کی مشعل اور دوسرے ہاتھ میں عزم کی کدال لے کر حالات کے ملبے کو

کھود کر اُن دنوں کو نکالنے لگے جو آگے چل کر عوام کے لئے بڑے دن ثابت ہوئے۔ اور پھر دن بدن اُن کے دن بدلنے لگے۔ اس ہمہ گیر شخصیت نے دربار لار شریف کو ایسے مرکز میں بدل دیا جو ریاست جموں کشمیر کے پچھڑے ہوئے پسماندہ طبقوں اور دیگر برادریوں کے تشخص وراثت کی علامت روحانی تسکین کا ذریعہ اور اُن کی فلاح بہبود کا منبع بن گیا۔ جہاں سے آج بھی لوگ دینی اور دُنیاوی فیضان حاصل کرتے ہیں۔ یہ مرجع خلائق جہاں عقیدت مندوں کے لئے دین اور سلسلہ نقشبندیہ مجدّدیہ کا قلعہ مانی جاتی ہے۔ وہیں لوگ اسے اپنا گھر بھی سمجھتے ہیں۔

ولادت:- میاں نظام الدینؒ کی ولادت باسعادت ماہ اپریل ۱۸۹۲ء بروز اتوار ہردجی وانگت میں ہوئی۔ نوزاہد بچے کے کانوں میں باباجی صاحبؒ نے آذان دی۔ آپؒ کا نام عبدالطیف رکھا گیا۔ حاجی بابا صاحبؒ کی عمر اُسوقت اڑھائی برس کی تھی جب باباجی صاحبؒ اپنے پیر و مُرشد خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ باباجی صاحب کیانویؒ نے علیک سلیک کے بعد دریافت فرمایا ''کیا حال ہے۔'' آپؒ نے عرض کیا ''حضرت میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے دُعا فرمائیں اسے اللہ پاک عمر، علم اور صحت عطا کرے کیونکہ ہماری پشت میں ازل سے یہ چلا آیا ہے کہ نہ کبھی بچے نے باپ کی شفقتِ پدری دیکھی اور نہ ہی باپ نے کبھی بچے کا عہدِ شباب دیکھا ہے۔''

حضرت کیانویؒ جلال میں آگئے فرمایا'' بچے کا نام کیا رکھا ہے۔؟ آپؒ نے عرض کیا'' عبدالطیف نام ہے۔''
حضرت کیانویؒ نے فرمایا'' نہیں یہ بچہ بھی میرا اور اس کا نام بھی میرا آج کے بعد اِس کا نام میاں نظام الدینؒ ہے۔''

تعلیم:- جب ہوش سنبھالا سنِ شعور کی سیڑھی پر قدم رکھا تو مولانا احمد جی صاحب سے گھر میں ہی دستورِ زمانہ کے مطابق عربی، فارسی کی تعلیم حاصل کرنے لگے مولائے کریم نے آپ کو علمِ لدنی سے نوازہ ہوا تھا۔ اس لئے عربی، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں پہ عبور تھا۔ آپ کے اُستاتذہ میں مولانا احمد جی کے علاوہ مولانا عبدالقدوس (ولیواڑ) کا نام قابلِ ذکر ہے۔ آپ نے اپنی ذہانت کی بدولت دینی کتابوں پہ عبور حاصل کرلیا۔ قرآن شریف اور دیگر اسلامی کتابوں کا گہرا مطالعہ تھا۔

روحانی ماحول:- ایک کامل ولی کی انگلی پکڑ کر روحانی ماحول میں ذہنی نشونما اور علمی پرداخت شروع ہوئی اُس دور میں آپ کے چاہنے والوں کی ریل پیل اللہ ھو اکبر کی صدائیں لنگر کے تندور کی مکی کی روٹیوں کی سوندھی خوشبو، زائرین کی باباجی صاحبؒ کے ساتھ روحانی مجالس، انسانی ذات اور ذات پاک کے درمیان رشتوں پر صوفیانہ تذکرے۔ خالق حقیقی پرمبنی صوفیانہ کلام کی گونج اور گن گرج، سلسلہ نقشبندیہ کے تحت دین اسلام کی تشریح و تبلیغ اور باباجی صاحبؒ کی دلوں میں اُترنے والی روحانی باتیں اِس ماحول میں آپؒ کا بچپن اور لڑکپن کے ایام گزرے پھر دھیرے دھیرے حضرت نے اپنی زندگی کو اُن سانچوں میں ڈھال لیا بقول مولانا رومؒ۔

ہر کسے را بہرے کارے ساختند .... میل اواندر دلش انداختند

شہسواری:- ۱۹۱۰ء ۱۹۲۰ء کے درمیان لاروانگت تک سڑک نہ ہوتی تھی۔ زائرین سینکڑوں میل کی مسافت پیدل یا گھوڑوں پر طے کر کے دربار تک پہنچتے تھے۔ باباجی صاحبؒ نے بھی اپنے اصطبل میں اعلیٰ نسل کے گھوڑے رکھے ہوئے تھے جن پہ بیٹھ کے آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا کرتے تھے۔ اس لئے میاں نظام الدّینؒ کو بچپن اور لڑکپن میں علم وادب اور روحانی ماحول کے علاوہ گھوڑسواری کا شوق بھی دامن گیر ہوگیا۔ آپ اکثر دوستوں کے ساتھ گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے کئی بار روانگت شاڑی اور تلیل کے پہاڑی سلسلوں کی طرف نکل جاتے۔ جہاں چراہ گاہوں میں خانہ بدوش قبائل کی خیمہ بستیوں سے متعارف ہوتے۔ اُن کی غربت، اُن کے بانکپن، اُن کی پسماندگی، اُن کی دلیری، اُن کی لوٹ کھسوٹ۔ اُن کی قناعت و برداشت، اُن کی بے ساختہ زندگی اور اُن کی محبت و مرّوت سے روشناس ہوتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان آپ کا گھوڑسواری کا مشغلہ بھی پروان چڑھتا گیا۔

صوفیانہ ماحول کا اثر:- عقیدت مندوں کی بڑی تعداد پونچھ، راجوری، بدھل، مینڈھر اور کالاکوٹ علاقوں میں آباد تھی یہ لوگ پیر پنجال پر زبردست برف باری کے باعث تقریباً پانچ ماہ دربار لار بابانگری سے کٹ

کر رہ جاتے تھے۔ اس لئے اِن کے اصرار پر جی صاحبؒ نے ۱۹۰۶ء میں موہڑہ بچھائی سُرن کوٹ میں رہائش اختیار کی جہاں وہ ہر سال موسم سرما میں تقریباً تین ماہ تک رہائش کیا کرتے تھے۔ آپؒ کے فرزند ارجمند میاں نظام الدینؒ بھی اُن کے ساتھ ہوتے تھے۔ باباجی صاحبؒ کے موہڑہ شریف (موہڑا بچھائی) میں تشریف لانے کے ساتھ ہی یہاں لنگر جاری ہوجاتا عقیدت مندوں کے لئے لنگر کے علاوہ گاؤں موہڑا بچھائی اور پھاگلہ کے لوگ اپنے گھروں سے مکّی کی روٹیاں اور لسی کے گھڑے لاتے مہمانوں کو رات کو اپنے گھروں میں رکھا کرتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب باباجی صاحبؒ لوگوں کی مذہبی تربیت کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں اسلامی شعور پیدا کرنے کے لئے حضرت نے صوفیانہ شاعری کا سہارا لیا وہ خود اعلیٰ پائے کے صوفی شاعر تھے۔ آپ نے پنجابی کو اظہار کا وسیلہ بنایا کیونکہ اُس دور کے رواج کے مطابق پنجابی زبان میں ہی لوگ صوفیانہ شاعری کرتے تھے۔ جس کی مثال میاں محمد بخش صاحبؒ کا سیف الملوک ہے۔ موہڑا بچھائی[ھے] میں رات کے وقت جب مجالس منعقد ہوتیں تھیں تو کچھ لوگ رات کو قبلہ باباجی صاحبؒ کے صوفیانہ کلام کو گاتے تھے۔ آپ کی صوفیانہ شاعری کو سُن کر علاقہ پونچھ، راجوری کے بہت سے عقیدت مندوں نے پنجابی زبان میں شعر کہنے شروع کر دیئے جن میں میاں محمود، سائیں قادر بخشؒ، خُدا بخش زارؒ، میاں فتح محمد درہالویؒ، سید باغ حسینؒ سید برکت شاہ، عبدل پونچھیؒ، مولوی محمد زمانؒ، سردار فروز خان فتح محمد کریلویؒ، سید حبیب اللہ شاہ، حاجی نوران شاہ صاحبؒ، مولوی ہدایت شاہ، مولوی ولایت شاہ جیسے نامور شعراء شامل ہوا کرتے تھے۔ ان علمی ادبی مجالس میں امیر القوم میاں نظام الدینؒ شامل ہوتے تھے۔ شعراء کا کلام سُنا کرتے تھے۔ اور داد دیا کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے آپ کا رجحان شاعری کی طرف بڑھنے لگا۔ اور آپ نے بھی والد بزرگوار کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پنجابی زبان میں شعر کہنے شروع کیے۔ ۱۹۲۰ء میں ریاست پونچھ کے

[ھے] موہڑا بچھائی گاؤں وادی سُرن کوٹ میں رتنجالی پہاڑی سلسلہ کے مغربی حصہ میں جبی طوطی اور جموں شہید کے خوبصورت علاقوں کے دامن میں پہاڑی ڈھلوان پر واقع ہے۔ جہاں حضرت باباجی صاحبؒ کے معتقد چودھری بلند خان نے ۱۴۵ کنال زرخیز زمین کا خطہ لنگر کے لئے نیاز کے طور پر دیا تھا۔ اور قبلہ حضرت باباجی صاحبؒ نے ایک مسجد عبادت کے لئے حُجرہ، مویشی خانہ اور رہائش وزائرین کے لئے اچھا خاصا مکان تعمیر کیا تھا۔ اب یہ خاندان وہاں نہیں رہتا مگر گاؤں کے گجر پہاڑی اور پٹھان قبیلہ کے لوگ آج بھی دربار لار شریف سے اُتنی ہی رغبت رکھتے ہیں۔ جتنی حضرت باباجی صاحبؒ کے وقت رکھتے تھے۔

پنجابی زبان کے مشہور صوفی شاعر سائیں قادر بخش کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اُنھیں اپنا کلام بھی سُنایا کرتے تھے۔ اور اُن کا کلام بھی سُنا ساتھ ملا کرتے تھے۔ بابا جی صاحب ” کو بھی حاجی بابا صاحب “ کی شاعری کا علم ہو گیا۔ تو آپ کو بڑی تسکین ہوئی حوصلہ افزائی فرمائی۔ جس کے باعث آپ کو شعر کہنے اور اپنے والد محترم کی صوفیانہ شاعری کی تحریک وراثت کو آگے بڑھانے میں تقویت ملی۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ صوفیانہ شاعری کے سوتے اُن کے اندر سے پھوٹتے چلے گئے۔ اور پھر آگے چل کر آپ نے پونچھ راجوری کے ہم عصر صوفی شعراء کی رہبری کر کے اس علاقے میں صوفیانہ شاعری کی تحریک کی پذیرائی کی۔ جو ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ جس کی مثال ریاست جموں وکشمیر میں کہیں نہیں ملتی یہ سلسلہ اُن کی بلوغت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔

شخصی راج اور موصوف کی کاوشیں

۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء کا دور ریاست جموں وکشمیر میں شخصی راج کا بدترین دور مانا جاتا ہے۔ کیونکہ اس دور میں ریاست کے عوام نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا تو اِنھیں حکومت کی سختیوں اور زیادتیوں کا سامنا رہا۔ مہاراجہ ہری سنگھ برطانیہ اور یورپ کی سیر گاہوں اور تفریح گاہوں میں دِل بہلانے میں مشغول تھے۔ جب کہ ریاست میں اہلکار اپنے رُعب، ظلم، جبر اور دبدبے سے عوام کو ستار ہے تھے۔ شخصی راج کی سختیاں اگر چہ ہر غریب پر نازل تھیں لیکن زیادہ پسماندہ اور پچھڑے طبقوں اور برادریوں کے لوگ نشانہ پر تھے۔ ترقی یافتہ قوموں کو جاگیروں عہدوں اور رُتبوں سے نوازہ جا رہا تھا۔ اِنھیں انتظامیہ اور فوج میں بھی حصہ مل رہا تھا۔ لیکن پہاڑی علاقوں میں آباد دیگر طبقہ جات برادریوں کے غریب لوگ ان مرعات سے کوسوں دُور تھے۔ کیونکہ اُن کی اکثریت ناخواندہ تھی اسلئے ملازمتوں کے دروازے اُن کے لئے بند تھے۔ مفلسی اُن کا مقدر بن چکی تھی۔ اسلئے کاروباری اداروں کا خواب بھی

نہ دیکھ سکتے تھے ان کی اکثریت بے زمین تھی۔ چنانچہ جاگیرداری اور ذیلداری جیسے عوامی رُتبوں کے بارے میں پنجابی زبان کے سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ خانہ بدوش طبقہ جو خیمہ بستیوں میں رہتے، ریوڑ پالتے چارے کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے اور چراگاہوں میں عہد رفتہ کی طرزِ زندگی گزار رہے تھے۔ جبکہ پہاڑی ڈھلوانوں پر گجر اور ہمسایہ برادریوں کے لوگ چند مویشیوں کو پال کر غربت اور پسماندگی کے دن گزار رہے تھے۔ اِن لوگوں کی زندگی بڑی ٹھہری ٹھہری ہوئی دبی سہمی ہوئی بے سہارا اور بے یار و مددگار تھی۔ اُدھر سے یہ لوگ شاہوکاری نظام میں جکڑے ہوئے تھے۔ اِن کی فصلیں اور کھلیان قرضوں اور سود میں تُل جاتے محنت مشقت جاگیرداروں چکلداروں شاہوکاروں اور خوجوں کے پاس رہن ہو جاتی تھی جو بچتا تحصیلدار، پٹواری، کھڑپینچوں میں بٹ جاتا۔ پھر مالیہ، چونگی، ترینی اور ٹیکس جاری تھا۔ اس ماحول میں ۱۹۲۶ء میں حاجی باباصاحبؒ نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنا شروع کیا۔ تو اُن کے سامنے وہ لوگ تھے۔ جن کو دینی، دُنیاوی، رہبری اور ایک ایسے مرکز کی ضرورت تھی جہاں وہ اکھٹے ہو کر اپنے دُکھ سُکھ بیان کریں۔ درپیش مسائل پر تبادلہ خیال کر سکیں دینی معالوں میں استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ یہ مرکز دربار لار بابا نگری کی صورت میں سامنے آیا۔ حضرت نے ریاست کے پسماندہ اور بچھڑے ہوئے قبائل اور ہمسایہ برادریوں کے پامال حقوق کی بحالی اُن کی عزت آبرو کی حفاظت اُن کے تشخص کی بازیابی کے لئے فیصلہ کن لڑائی لڑنے کا عزم کر لیا۔ غریب اور محکوم لوگوں کے مستقبل کے بارے میں بڑے فکرمند ہوئے۔ اُس وقت کے موحول اور حالات کے پس منظر سے آپ کو ایک ایسی تحریک ملی جس سے آپ بے زبانوں کی زبان اور بے سہاروں کا سہارا بننے لگے۔ دُنیاوی معاملوں اور سیاسی حالات سے بیدار کرنے لگے۔ عقیدتمندوں کو صبر و قناعت کرنے کے بجائے اپنے حقوق کے لئے برسرِ پیکار رہنے کا حکم دیا اور ظلم کے خلاف جہاد کرنے کا درس دینے لگے۔ تاکہ شاندار تابناک ماضی والے قبیلوں برادریوں کا کھویا ہوا تشخص اُنھیں واپس دلا سکیں اور اللہ کی یہ مخلوق بھی زمانے میں سر اُٹھا کر چل سکے۔[1]

---

[1] تاریخ حریت کشمیر۔ رشید تاثیر ☆ نوجوانوں سے خطاب۔ مولانا مہرالدین قمر

۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۱ء کے درمیان میاں نظام الدینؒ کے تبلیغی دورے

بابا جی صاحبؒ کے بعد آپؒ کے فرزند ارجمند اور سجادہ نشین میاں نظام الدینؒ کی علمی ادبی مجالس ویسے ہی منعقد ہونے لگیں جیسے آپؒ کے زمانے میں ہوا کرتی تھیں لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے آپ نے تحریک چلائی عوام کو متحرک کرنے کے لئے آپ نے وہ جلا بخشی جس سے تاریکی شب کا خوف دل سے نکل گیا۔ چونکہ اُس زمانہ میں دور دراز علاقوں میں جانے کے لئے آج کل کی طرح سڑکیں نہ تھیں اِسلئے موٹر گاڑی کا رواج بھی کم تھا ایسی صورت میں گھوڑوں پہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے کے لئے سفر کیا جاتا تھا۔

حاجی بابا کے اصطبل میں اعلیٰ سے اعلیٰ نسل کے گھوڑے موجود ہوا کرتے تھے۔ خود بڑے شہسوار تھے اس لئے گھوڑ سواری کا بے حد شوق تھا سر مبارک پہ بڑھیا کُلّاہ، امشدی لنگی، کالی شیروانی، سفید شلوار قمیض زیب تن کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے پہ جب سوار ہوا کرتے تھے تو دیکھنے والے دھنگ رہ جایا کرتے تھے لوگ آپ کی جلوہ نمائی کے منتظر ہوا کرتے تھے ایسا لگتا تھا جیسے پورن ماشی کا چاند طلوع ہو گیا ہو۔

میاں نظام الدینؒ جب عقیدتمندوں کے اصرار پر دورہ کرتے تو گھر سے باہر بھی رات کے پچھلے پہر تک دینی مجالس کے علاوہ علمی ادبی اور سیاسی شعور لوگوں میں بیدار کرنے کے لئے مجالس ہوا کرتی تھیں سادہ اور روایتی دعوت میں رکابیوں میں چاول کٹوروں میں دودھ، شکر، شوربا، اور میزبان کی محبت اور عقیدت شامل ہوتی تھی بدلے میں حضرت صاحب کی مہربان نظریں اور شفقت ہوتی یہ تمام چیزیں مل کر اس سادہ دعوت کو اعلیٰ ضیافت میں بدل دیتیں تھیں۔

کشمیر میں سیاسی بیداری اور ۱۹۳۱ء میں گجر اصلاحی کمیٹی کا قیام[1]

۱۹۲۴ء میں ریشم خانہ سری نگر کے مزدوروں کی ہڑتال سے کشمیر میں سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔اور شخصی راج کے خلاف مزاحمت کا سلسلہ شروع ہوا۔۱۹۲۶ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ کی وفات کے بعد جموں دربار کے راجہ امر سنگھ کے بیٹے ہری سنگھ ریاست جموں وکشمیر کے تخت پر مہاراجہ بن کر وارد ہوئے اُس وقت کشمیر میں حکومت کے خلاف سخت بے چینی پائی جاتی تھی۔عوام کے تیور دیکھ کر مہاراجہ ہری سنگھ نے کچھ اصلاحی قدم اُٹھائے جن میں بیگار کا خاتمہ اور زمینوں پر آسامیوں کے حق ملکیت کو برائے نام تسلیم کرنا بھی شامل تھا۔لیکن لوگوں کی تسلی نہ ہوئی اندر ہی اندر حکومت کے خلاف لاوا پکنے لگا۔۱۲راپریل ۱۹۳۰ء کو شیخ محمد عبداللہ علی گڑھ سے ایم ،ایس ،سی کی ڈگری حاصل کر کے واپس آئے۔علی گڑھ کے کھلے ماحول میں رہ کر شیخ صاحب علم کے علاوہ سیاسی سوجھ بوجھ بھی حاصل کر چکے تھے۔کشمیر میں حکومت کے خلاف ماحول تیار ہو رہا تھا۔چنانچہ شیخ صاحب نے عوام کے حقوق کے لئے سرگرمیاں شروع کر دیں۔اگر چہ محکمہ تعلیم میں اُن کی تعیناتی مدرس کے طور پر ہو چکی تھی لیکن اس کے ساتھ اُنھوں نے ۱۹۳۰ء میں فتح کدل سری نگر میں مُفتی جلال الدین کے مکان میں ریڈینگ روم قائم کیا۔جہاں پنجاب سے شائع ہونے والے اخبارات آنے لگے اور شہر کے نوجوانوں کی ریڈینگ روم میں دلچسپی بڑھنے لگی۔اس ریڈینگ روم میں اکٹھے ہو کر لوگ سیاسی تبدیلی اور شخصی راج کے خاتمے کے بارے میں سوچنے لگے۔اس طرح اس ریڈینگ روم نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے کشمیر کے درخشاں سیاسی مستقبل کا سنگِ بنیاد قرار دیا تھا☆

۲۹-اپریل ۱۹۳۱ء کو عید کے موقعے پر عیدگاہ جموں میں پولیس کی طرف سے خطیب کو خطبہ دینے سے روکنے کا ردِعمل پوری ریاست میں ہوا۔اور شیخ محمد عبداللہ نے حکومت کے خلاف احتجاج کو وادی کشمیر میں عُروج پر پہنچا دیا۔جس کی پاداش میں انہیں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔۲۵ جون ۱۹۳۱ء کو خانقاہ معلیٰ میں کشمیر کے مسلمانوں

---

[1] تحریک حریت کشمیر۔جلد اول تحریر رشید تاثیر

کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں شیخ محمد عبداللہ، میر واعظ مولوی محمد یوسف شاہ، اور دیگر مقررین کے علاوہ عبدالقدیر نامی ایک اجنبی شخص اسٹیج پر وارد ہوا۔ حکومت کے خلاف دیگر باتوں کے علاوہ اُس نے راج محل سرینگر کی طرف اُنگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا'' کہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دو'' حکومت نے عبدالقدیر کے خلاف مقدمہ درج کیا اور گرفتار کر لیا۔ سرینگر جامع مسجد کے دروازے پر اطلاع نامہ چسپاں کر دیا کہ آئندہ حکومت کی اجازت کے بغیر یہاں کوئی تقریر نہ کر سکے گا۔ اس اطلاع نامہ کا زبردست ردعمل ہوا۔ اور ۱۰ر جولائی ۱۹۳۱ء کو ایک لاکھ لوگ جامع مسجد میں جمع ہو گئے۔ جنہیں دوسرے رہنماوں کے علاوہ شیخ محمد عبداللہ نے بھی خطاب کیا۔ اور کھل کر حکومت کی زیادتیوں کے خلاف تقریر کی۔ اسی دوران ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سرینگر سنٹر جیل میں عبدالقدیر کے مقدمے کی شنوائی شروع ہوئی۔ تو سینکڑوں نوجوان جیل کے باہر اکٹھے ہو گئے پھر جیل کے اندر داخل ہونے لگے تو پولیس سے تصادم ہو گیا۔ پولیس نے اندھا دھند گولی چلائی سترہ نوجوان شہید ہو گئے سری نگر شہر میں ہاہاکار مچ گئی اور حکومت کو عوام پر قابو پانے میں بہت عرصہ لگا مگر اس واقع سے تحریک حُریت کشمیر کا آغاز ہو چکا تھا۔ کشمیر کی سیاست کے محور شیخ محمد عبداللہ بن گئے تھے۔ پھر ۱۴ر جون ۱۹۳۲ء کو مُسلم کانفرنس کا وجود عمل میں آیا۔[1]

کشمیر کے ان سیاسی رجحانات کا لاّ دربار باباجی صاحبؒ پر بڑی دلچسپی کے ساتھ جائزہ لیا جا رہا تھا۔ یہاں علما رہنما اور دانشور اکٹھے ہو کر میاں نظام الدینؒ کے ساتھ سیاسیات کشمیر پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ اس تحریک میں ریاست کے پچھڑے ہوئے پسماندہ لوگوں کی حصہ داری اور اُن کی شمولیت کے بارے میں غور و خوض ہو رہا تھا۔ اُس دور میں کشمیر کی تحریک سرینگر شہر تک محدود تھی جموں کے چودھری غلام عباس اور اللہ رکھا ساغر کو چھوڑ کر کسی کو بھی اس میں نمائندگی نہ دی گئی تھی۔ میر واعظ محمد یوسف شاہ کی انجمن نصرت السلام بھی اس تحریک سے الگ تھی۔ مُسلم کانفرنس کے منشور میں پچھڑی ہوئی پسماندہ اور ناخواندہ برادریوں کے لئے مراعات یا سہولیات کا کوئی ذکر نہ تھا۔ جب تک ان کے بارے میں سیاسی طور پر کوئی واضح بات نہ ہوتی پہاڑی علاقوں میں آباد ان لوگوں کو نئے سیاسی تناظر میں فائدہ ہونے والا دکھائی نہ دے رہا تھا اگرچہ میاں نظام الدینؒ کو مُسلم کانفرنس کی سیاسی اُمنگ اور شیخ صاحب کی قیادت سے کوئی اختلاف نہ تھا۔ آپؒ شیخ صاحب کی کاوشوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

---

[1] مولانا مہرالدین قمرؔ... حضرت میاں نظام الدینؒ لاروی نمبر

اس کے باوجود آپ کسی ایسی تنظیم کے حق میں تھے۔ جو پچھڑے اور پسماندہ طبقوں کی سیاسی اور سماجی رہنمائی کر سکے اور اس کے تشخص کی علامت بن سکے۔

۱۹۳۱ء میں ہر سال کی طرح آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ سردیوں کے ایام میں موہڑا بچھائی آ گئے لسانہ کے چودھری غلام حسین لسانوی جنھیں ''گجر گاندھی'' کہا جاتا تھا کے گھر میں آمد ہونے لگی۔ لسانوی صاحب کے گھر ریاست پونچھ کے دبے کچلے لوگ آپ سے سیاسی مشورے کے لئے آتے تھے۔ اُس دور میں علاقہ پونچھ کے گاؤں میں شاہوکاری نظام عروج پر تھا۔ اور شاہوکاری کے ہاتھوں عوام کا بُری طرح استحصال ہو رہا تھا۔ یہ لوگ سود در سود قرضوں تلے دبے ہوئے تھے۔ مہاراجہ کشمیر کی طرف سے ناجائز ٹیکس وصول کیے جا رہے تھے۔ تو دوسری جانب پونچھ کے راجہ جگت دیو سنگھ کی طرف سے ترقی، پن چکی ٹیکس، نکاح خوانی ٹیکس اور تہوار ٹیکسوں کی صورت میں عوام کا ناک میں دم آ چکا تھا اور عوام کی حالت قابل رحم تھی۔ راجہ جگت دیو سنگھ نے چودھری غلام حسین لسانوی کے لئے دربار میں کُرسی وقف کی ہوئی تھی۔ آپ میاں نظام الدین ؒ صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ لیکن لوگوں کی بہتری کے لئے کچھ نہ ہو رہا تھا۔ ان حالات میں میاں نظام الدین لاروی صاحبؒ کے مشورہ پر پونچھ میں گجر اصلاحی کمیٹی بنائی گئی تا کہ لوگوں کے حقوق کے لئے آواز اُٹھائی جا سکے۔ لیکن آپ کے واپس لار شریف جانے کے بعد یہ کمیٹی زیادہ دیر کام نہ کر سکی۔ نہ تو اس کا منشورہ تیار ہوا۔ نہ اس کی کوئی میٹنگ ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا۔ اس کی شاخیں پونچھ سے باہر نہ کھل سکیں۔ اور اس اصلاحی کمیٹی کا وہ مقصد فوت ہو گیا۔ جس کے لئے اس کی تشکیل ہوئی تھی۔ اس طرح موصوف کی پذیرائی کے بغیر گجر اصلاحی کمیٹی کام نہ کر سکی مگر موصوف لگاتار علما اور دانشوروں کے رابطہ میں تھے تا کہ ریاستی سطح پر پسماندہ پچھڑی ہوئی برادریوں کی نمائندہ جماعت کی تشکیل ہو سکے۔

۱۹۳۲ء کے واقعات: ۔ ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سری نگر میں پیش آنے والے واقعات کے سیاسی تناظر کا براہ راست اثر علاقہ میرپور راجوری اور پونچھ میں ہونے لگا۔ شاہوکاری نظام کی چالاکیوں سے زخم کھائے اور قرضوں میں جکڑے ہوئے لوگ پہلے سے ہی بغاوت پر آمادہ تھے اس لئے کشمیر کے واقعات سے شہ پا کر دوسرے علاقوں کی طرح پونچھ میں بھی مسلمانوں نے بغاوت شروع کر دی شورش کا آغاز علاقہ تھکیالہ میں

سردار فتح محمد کریلوی کی شعلہ بیان تقاریر سے ہوا۔ اگرچہ پونچھ کے راجہ جگت دیو سنگھ نے علاقہ سوہرن کوٹ میں پیر حسام الدین کے صاحبزادے پیر محمد دین کو عوام میں اسلئے بھیجا تا کہ وہ اِن لوگوں کو سمجھائے لیکن اُنہیں کامیابی نہ ملی اور لوگ شخصی راج کے حمایتوں کی دوکانیں لوٹنے لگے گھر جلانے لگے اور اُن کو تشدد کا نشانہ بنانے لگے۔[1]

یہ واقع جنوری/فروری ۱۹۳۲ء کا ہے۔ اُس وقت میاں نظام الدینؒ موسم سرما کی قیام گاہ علاقہ سرن کوٹ کے گاؤں موہڑا بچھائی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ اگرچہ شاہوکاری نظام کے سخت خلاف تھے اور سود در سود قرضوں میں دبے ہوئے پہاڑوں میں آباد لوگوں کی قیادت فرما رہے تھے۔ لیکن جب اُن کے قرب وجوار کے گاؤں میں شورش بپا ہوا۔ اقلیتوں کی دُکانیں لٹنے لگیں۔ گھر جلنے لگے اور اِن خاندانوں پر تشدد ہونے لگا تو آپ کے اندر کا روحانی ولی جاگ اُٹھا اور وہ لوگوں کا غصہ ٹھنڈا کرنے میں جُت گئے ایک دن وہ علاقہ سُرن کوٹ سے گھوڑے پر سوار عقیدتمندوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے تو اُنھیں اطلاع ملی کہ قریب کے گاؤں گوتھل میں لوگ ہیرانند اور جے رام شاہ کی دُکان لوٹ رہے ہیں۔ آپ نے گھوڑے کی باگ اُس طرف موڑی اور جائے واردات پر پہنچ کر لُٹتی ہوئی دُکانوں کی لوٹی بند کروائی اور لُٹا ہوا مال واپس کرایا پھر لوگوں کو لوٹ مار بند کرنے کے کئے کہا اور شاہوکاروں سے بھی کہا کہ ''وہ پچھلے قرضے اور سود معاف کریں انصاف کے ساتھ تجارت کریں پھر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔'' اُس کے بعد آپؒ چھاونی باغ پھاگلہ میں آئے اور ایک جلسہ میں شرکت کرتے ہوئے فرمایا۔

''میں وہ گنہگار ہوں جسے معلوم نہیں کہ اُس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ کیونکہ خُدا میرے قلب میں رہا اور میری آنکھیں اُسے دیکھ نہ سکیں خُدا تمام انسانوں کا خُدا ہے۔ صرف ہندو اور مسلمان کا نہیں دوسرے لوگوں کے مذہب کو رد کرنا خُدا کی ناراضگی کے مترادف ہے۔ اس لئے کسی کو تنگ مت کرو۔'' آپ کی کاوشوں سے لوگوں کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اور حالات سازگار ہوئے۔[2]

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد [2] حضرت میاں نظام الدین لاروی نمبر... مولانا مہر الدین قمر

(ا)-گیلانسی کمیشن اور باباصاحبؒ

۱۳-جولائی ۱۹۳۱ء میں سری نگر کے خونی معرکہ کے بعد کشمیر میں سیاسی بیداری کا آغاز ہوا۔اور عوامی شکایات حکومت ہند تک پہنچنے لگیں ۔حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے گیلانسی کمیشن مقرر ہوا۔تا کہ عوامی شکایات کا ازالہ ہو سکے اور ریاستی حکومت میں عوامی حصہ داری کو یقینی بنایا جا سکے اس کمیشن کے روبرو میاں نظام الدینؒ اور چودھری غلام حسین لسانوی پسماندہ اور پچھڑے طبقوں کا وفد لے کر پیش ہوئے اور بتایا کہ ان لوگوں کے مسائل اور مصائب دوسری ہمسایہ قوموں طبقوں اور فرقوں سے مختلف ہیں۔ان لوگوں کو حکومت نے ہی نہیں بلکہ دوسری قوموں نے بھی محکوم بنا کے رکھا ہوا ہے۔ان کا استحصال سرکاری کارندے بھی کر رہے ہیں۔ اور دوسری قوموں کے ذیلدار جاگیردار اور شاہوکار بھی کر رہے ہیں۔زندگی کے ہر شعبے میں یہ لوگ نہایت پچھڑے ہوئے پسماندہ اور ناخواندہ ہیں۔اسلئے خصوصی مراعات کے بغیر ان لوگوں کو آگے نہیں لایا جا سکتا۔لیکن گیلانسی کمیشن نے الگ سے ان لوگوں کے لئے کچھ بھی تجویز نہ کیا اور انھیں مسلمانوں کے حقوق میں شامل کیا۔۲۲/مارچ ۱۹۳۲ء کو گیلانسی کمیشن کی رپورٹ آئی جسے ۱۰،اپریل ۱۹۳۲ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے قبول کیا۔لیکن اس میں پہاڑوں میں آباد لوگوں کی پسماندگی اور پچھڑے پن کو دور کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔کیونکہ کمیشن کی سفارش تھی کہ مسلمانوں کو ملازمتوں میں حصہ دیا جائے مگر اُن علاقوں میں کوئی پڑھا لکھا نہ تھا۔دوسری سفارش تھی کہ سرکاری زمینوں پر قابض کسانوں کو مالکانہ حقوق دیئے جائیں۔مگر ان لوگوں کی اکثریت کے پاس زمین ہی نہ تھی۔تیسری سفارش حکومت میں حصہ داری کی تھی۔لیکن وہ حصہ داری بھی ان کو حاصل نہ تھی۔اسلئے ان سفارشات کا فائدہ ان لوگوں کو نہ پہنچا۔ان حالات میں برگزیدہ شخصیات نے میاں نظام الدینؒ کو قائل کیا کہ وہ اپنے لوگوں کی سیاسی رہنمائی بھی کریں[1]۔

---

[1] تحریک حریت کشمیر تحریر -رشید تاثیر.............. گجر اور گوجری ۲۰۰۷ء -آتش چنار- شیخ محمد عبداللہ

۱۹۳۲ء میں علاقہ راجوری میں عوامی تحریک اور حضرت میاں نظام الدینؒ[1]

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے واقعات کے بعد جب کشمیر میں تحریک حُریت کا آغاز ہوا تو راجوری پونچھ کے لوگوں کی دلچسپی ریاست کے سیاسی تناظر کی طرف بڑھنے لگی اور کشمیر کی سیاسی ہوائیں پیر پنجال کو عبور کر کے اُن علاقوں میں بھی پہنچنے لگیں۔ راجوری میں اُس وقت مسلم کانفرنس کو چھوڑ کر چودھری دیوان علی کھٹانہ، مولانا مہرالدین قمرؔ اور دیگر دانشور لوگ چودھری دیوان علی کے گھر دھنور میں صلاح مشورہ کرتے اور عوام کو بیدار کرنے کی تدابیر سوچتے۔ اُس دور میں راجوری میں شاہوکاری جاگیردارانہ دبدبہ اور اہلکاروں کے ظلم وستم کا دور دورا تھا۔ ایک دن چودھری دیوان علی کے ہاں پھر یہ لوگ جمع ہوئے اور راجوری میں آباد لوگوں کے استحصال پر بحث ہو رہی تھی تو چودھری دیوان علی نے کہا کہ ''ہمارے لوگ صرف راجوری میں ہی جبر واستبداد کا نشانہ نہیں بلکہ پوری ریاست میں ان سے زیادتیاں اور ناانصافیاں روا رکھی جا رہی ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ غفلت، جہالت، اور غربت کی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے ایسی قیادت اور قائد کی ضرورت ہے۔ جو ریاست بھر کے پہاڑی علاقوں میں بکھرے ہوئے لوگوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ پھر مولانا مہرالدین قمرؔ سے مخاطب ہوئے کہ میری نظر میں باباجی صاحبؒ کے فرزند ارجمند اور سجادہ نشین میاں نظام الدینؒ سے بہتر اور کوئی شخص نہیں ہوسکتا۔ جن کے خاندان کی دینی خدمات سے پہاڑی علاقوں میں آباد تمام قومیں اور فرقے فیضان حاصل کر چکے ہیں۔ ان علاقوں میں کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو دربارِ لار شریف سے عقیدت نہ رکھتا ہو اور اُس خاندان کا احترام نہ کرتا ہو۔ اگر موصوف دینی ترویج وتبلیغ کے ساتھ ساتھ بے بس اور بے سہارا لوگوں کی سیاسی رہنمائی فرما کر اُن کا سہارا بنیں۔ پھر چودھری دیوان علی نے مولانا مہرالدین قمرؔ سے کہا ''وہ میاں نظام دینؒ کو میری طرف سے چٹھی بھیج کر اُنھیں راجوری تشریف لانے کی دعوت دیں تاکہ اُن کی رہنمائی اور مشورہ کے ساتھ تنظیم کی تشکیل ہو سکے۔''

[1] حضرت میاں نظام الدین لاروی نمبر۔۔۔ تحریر مولانا مہرالدین قمرؔ

۱۹۳۶ء میں مولوی مہر الدین قمرؔ کا خط: ۔ باہمی مشورہ کے بعد مولانا مہر الدین قمرؔ نے میاں نظام الدینؒ کو ایک تفصیلی چٹھی ارسال کی۔ جس میں انھیں اپنے لوگوں کے حالات اور چودھری دیوان علی کے خیالات کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔ اور راجوری تشریف لانے کی دعوت دی تا کہ ریاست کے سیاسی حالات اور اپنی پسماندہ قوم کے بارے میں تفصیل کے ساتھ تبادلہ خیال ہو سکے۔ اس خط میں مولانا مہر الدین قمرؔ نے آپ کے نام ایک نظم بھی لکھ کر بھیجی جس میں اُس زمانے میں عوام کی خستہ حالت کی منظر کشی گئی ہے۔ اس نظم کے کچھ شعر اس طرح ہیں۔

نفع سود آرام کی دس ساہنوں تینوں ہین شالہ سرداریاں جے
ساہنوں رنج الم تے غم سوسو گوناگون افلاس بیماریاں جے
تینوں بادشاہی تاج تخت اپنا سرداریاں تے تاج داریاں جے
ساہنوں لیل و نہار آزار غم دا فاقہ مستیاں تے قرضہ داریاں جے
دو نے اٹھ چالی ترٹی انج گالی وچ لکھیاں قسمتاں ہاریاں جے
ظلم ستم دا، دور، راجور اندر ساہڈے مگر منڈوں شاہوکاریاں جے
اُٹھ قوم بے حال دی ڈھال بن جا جیکر دل وچ درد بیماڑیاں جے
چپہ مار منجدار تھیں تار بیڑا تُساں ڈبیاں بیڑیاں تاریاں جے
اسیں بڑے دلگیر نہ دھیر کوئی ہکو تُساں دیاں انتظاریاں جے
اُٹھ قمرؔ دی قوم دا پکڑ بازو تیرے حال تے رحمتاں بھاریاں جے[1]

چودھری دیوان علی کی پیدائش ۱۸۸۵ء میں دھنور راجوری میں ہوئی جب کہ انباراں اکھنور میں بھی آپ کی خاصی جائیداد تھی۔ ابتدا میں آپ مہاراجہ پرتاب سنگھ کی پولیس میں ملازم رہے ۳۲-۱۹۳۱ء کے واقعات کے بعد آپ سیاست میں آئے اور اپنے علاقے میں سیاسی جدوجہد جاری رکھی۔ ۱۹۳۲ء سے امیر القوم میاں نظام الدینؒ سے جُڑے رہے۔ اور ان کی قیادت میں عوام کے حقوق کیلئے جدوجہد کرتے رہے۔ آپ کا انتقال بیاسی سال کی عمر میں ۱۹۶۷ء میں دھنور راجوری میں ہوا۔

[1]: چودھری دیوان علی مرحوم کتابچہ تحریر مولانا مہر الدین قمرؔ

۱۹۳۲ء کی کاوشیں

میاں نظام الدینؒ دین اسلام کے بہت بڑے مبلغ اور ولی اللہ تھے۔ لیکن آپ کے اصول، اطوار اور افکار انسانیت کے وسیع تر دائرے پر پھیلے ہوئے تھے۔ انسانیت کے معاملے میں وہ سمجھوتہ نہ کرتے تھے۔ آپ کے عقیدت مندوں میں تمام طبقوں، فرقوں اور برادریوں کے لوگ شامل تھے جن میں گجر پہاڑی، کشمیری اور پنجابی لوگوں کے علاوہ پہاڑی علاقوں میں آباد بہت سے ہندو بھی آپ کے عقیدتمندوں میں شامل تھے۔ آپ بے حد نرم، رحم دل اور سب کے پیارے تھے۔

اُس دور میں اگرچہ گجر قوم کے لوگ سب سے زیادہ اقتصادی پسماندگی اور ناخواندگی کا شکار تھے۔ لیکن اُن کے ساتھ رہنے والے پہاڑی اور کشمیری برادریوں کے لوگوں کی اکثریت بھی غربت اور بدحالی کے دن گزار رہی تھی۔ اس لئے موصوف کو جب اپنے لوگوں نے سیاسی رہنمائی کے لئے مجبور کیا تو آپ نے گجروں کے ساتھ ساتھ دوسری برادریوں کے دبے کچلے لوگوں کے لئے آواز اُٹھانا بھی اپنا منصب سمجھا۔ لیکن اپنی سیاست کو کبھی بھی تعصب یا تنگ نظری سے میلا نہیں ہونے دیا۔ آپ ولی تھے اور آپ کے روحانی چشمے سے لوگ بلا اِمتیاز ذات و فرقہ پیاس بجھاتے تھے۔ اور موصوف کی برکتیں، نوازشیں اور رحمتیں سب کے لئے یکساں تھیں۔ رواداری آپ کے خمیر میں تھی۔ اور باباجی صاحبؒ سے وراثت میں ملی تھی۔ باباجی صاحبؒ کے خلفا کی اکثریت غیر گجروں پر مشتمل تھی تھکیالہ پراوا پونچھ کے سردار فتح محمد کریلوی (آزاد کشمیر کے سابقہ صدر و وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان کے والد) اور سُدھنوتی کے غلام حسین منہاس اور فتح محمد کریلوی کے والد محترم، تھکیالہ کے سردار فیروز خان اور دیگر لاکھوں پہاڑی لوگ باباجی صاحبؒ اور میاں نظام الدینؒ کے ہاتھوں پر بیعت تھے اور سادات خاندان میں سب سے معتبر اور

مذہبی شخصیت مولوی حبیب اللہ شاہ بخاری پمروٹ بھی دربار لار سے وابستہ تھے۔ میاں نظام الدینؒ کی ذات اور نوازش کسی خاص فرقہ تک محدود نہ تھیں۔ آپ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "دُنیا میں دو ہی فرقے ہیں۔ ایک امیر اور دوسرا غریب ایک ظالم اور دوسرا مظلوم، ظالم اور مظلوم تمام قوموں میں موجود ہیں۔" اس لئے جب موصوف کو چودھری دیوان علی اور مولانا مہر الدین قمرؔ کا خطہ ملا تو آپ نے سوچا کہ پہاڑی علاقوں میں آباد اُن تمام دبے کچلے لوگوں کے لئے جدوجہد کی جانی چاہیے جو غریب در غریب اور محکوم در محکوم ہیں جن کا کوئی بھی سہارا نہیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں اور جن کو رہبری کی ضرورت ہے۔

۱۹۳۲ء میں میاں نظام الدینؒ کی راجوری میں آمد اور گجر جاٹ کانفرنس کی تشکیل

چودھری دیوان علی کا خط[1] اور مولانا مہر الدین قمرؔ کی ولولہ انگیز نظم موصول ہونے کے بعد موصوف راجوری تشریف لائے اور چودھری دیوان علی کے گھر قیام ہوا لیکن ابھی موصوف سیاست میں آنے کے لئے پوری طرح تیار نہ تھے آپؒ کا فرمانا تھا کہ دین کی تبلیغ اور انسانیت کی رہنمائی کے علاوہ وہ کسی چیز میں دخل نہ دیں گے۔ چودھری دیوان علی نے آپؒ کو کہا کہ "ریاست بھر میں بکھرے ہوئے اپنے لوگوں کو اگر کوئی شخصیت اکٹھا کر سکتی ہے۔ تو وہ آپؒ کی ذاتِ گرامی ہے۔ اس لئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے لوگ ترقی کر سکیں تو پھر سیاست میں آ کر اُن کی رہبری کرنی ہوگی ورنہ روزِ محشر حساب پوچھا جائے گا اس بے بس اور بے کس قوم کے لئے آپ نے کیا کیا اس طرح دوسری برگزیدہ شخصیات نے بھی مل کر حضرت موصوف کو سیاست میں آنے کے لئے آمادہ کر لیا۔ لیکن حاجی بابا صاحبؒ نے کہا اس کا حتمی فیصلہ باباجی صاحبؒ کے خلیفہِ اوّل سید حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے مشورے سے ہی کریں گے۔

[1] کتابچہ چودھری دیوان علی۔ کتابچہ حضرت میاں نظام الدین لارویؒ

چند برگزیدہ قافلے کے ساتھ حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے ہاں تشریف لے گئے۔جن میں چودھری غلام حسین لسانوی، چودھری دیوان علی، مولانا مہرالدین قمر، و دیگر علما اور دانشور شامل تھے۔ پھر حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے ساتھ گفت وشنید کے بعد طے پایا کے پہاڑی علاقوں میں آباد لوگوں پر مشتمل ایک نمائندہ جماعت بنائی جائے جس کا نام (گوجر جاٹ) کانفرنس ہو اور اس جماعت کے دروازے تمام دبے کچلے لوگوں کے لئے کھلے رکھے جائیں۔

گجر جاٹ کانفرنس کے پہلے صدر حضرت میاں نظام الدینؒ

۱۹۳۲ء میں حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے ہاں (لاہ) راجوری میں گوجر جاٹ کانفرنس وجود میں آئی اور اس کے پہلے صدر اور سرپرست میاں نظام الدینؒ بلامقابلہ منتخب ہوئے یہ جماعت ۱۳-چیت ۱۹۸۹ بکرمی بمطابق ۱۳-اپریل ۱۹۳۲ء میں قائم ہوئی اس جماعت کے دروازے تمام قوموں اور برادریوں کے لئے کھلے رکھے گئے مندرجہ ذیل کمیٹی نامزد ہوئی۔

حضرت میاں نظام الدینؒ	☆	صدر اور سرپرست
چودھری غلام حسین لسانوی	☆	جنرل سیکریٹری
چودھری دیوان علی	☆	نائب صدر ریاسی[1]
مولانا مہرالدین قمر	☆	تشہیر سیکریٹری
سید محمد اللہ شاہ آزاد	☆	خزانچی

[1] تب راجوری ضلع ریاسی کی تحصیل ہوا کرتا تھا

اس نئی جماعت کے باقی اراکین کے چناو اور نامزدگیوں کا اختیار جماعت کے بانی صدر میاں نظام الدین لاروی کو دیا گیا۔[1] اور وہاں ہی فیصلہ ہوا۔ کہ ۲۹ رچیت ۱۹۸۹ بکری بمطابق ۱۲/۱۱ اپریل ۱۹۳۲ء کو گوجر جاٹ کانفرنس کا پہلا اجلاس پروڑی گجراں راجوری میں ہوگا۔[21]

---

[21] ۱۹-جولائی ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کی بنیادی تعلیم گاؤں میں ہوئی۔ پھر دہلی اور پنجاب کے مدرسوں میں آپ نے تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد چودھری جعفر علی تھا۔ بچپن سے ہی درگاہ لار شریف سے رغبت ہوئی۔ حاجی نوران شاہؒ کے ہاتھ پہ بیعت ہوئے اسی دوران آپ نے دینی اور دنیاوی تعلیم حاصل کی اور علما حضرات چودھری دیوان علی، موصوف کی سنگت سے سیاسی شعور پیدا ہو گیا۔ ۱۹۳۲ء میں گوجر جاٹ کانفرنس کی تشکیل میں معاون ثابت ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں سیاسی اتھل پتھل کے باعث قررا جوری سرحد کی دوسری طرف ہجرت کر گئے۔ اور نواں شہر ایبٹ آباد پاکستان میں مہاجر کی زندگی گزارنے لگے آپ نے کشمیر کے دوسرے حصے میں گوجری زبان وادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ اور ۱۹۶۷ء میں آزاد کشمیر ریڈیو تراڑکھل سے گوجری پروگرام شروع کرنے میں آپ کا بڑا ہاتھ تھا۔ آپ نے گجر ہستیوں گوجری زبان وادب و گجر ورثے پر بہت کتابچے شائع کیے ہیں۔ چودھری دیوان علی، امیر القوم حضرت میاں نظام الدین "گجر نوجواں سے خطاب، گوجری زبان اور وفات نامہ حضرت سید نوران شاہ صاحبؒ" قابل ذکر ہیں۔ اگرچہ ۱۹۴۸ء میں آپ سرحد پار چلے گئے تھے۔ لیکن آپ کا ظاہر خیال ہمیشہ دربار عالیہ لار شریف پر ہی منڈلاتا رہتا تھا۔

اُس زمانہ میں راجوری ضلع ریاسی کی تحصیل ہوتی تھی۔ جبکہ ۱۸۴۶ء سے پہلے راجوری جرال راجاؤں کی ریاست تھی معاہدہ امرتسر کے بعد گلاب سنگھ مہاراجہ بنے تو ۲۶، اکتوبر ۱۸۴۶ء کو راجوری کی ریاست پر قبضہ کر کے جرال راجہ رحیم اللہ خان کو خاندان کے ساتھ ریاست بدر کر کے رہلو کانگڑہ بھیج دیا گیا تھا۔ اور راجوری کو ریاست جموں وکشمیر میں مدغم کر دیا گیا تھا۔ ۱۸۶۰ء میں راجوری کو تحصیل کا درجہ دے کر اسے ضلع پونچھ کے ساتھ ملا دیا گیا۔ ۱۹۰۴ء کی حد بندی کے تحت راجوری کو ریاسی ضلع کی تحصیل بنا دیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں ضلع راجوری پونچھ وجود میں آیا جس کا صدر مقام پونچھ تھا۔ پھر پہلی نومبر ۱۹۶۷ء میں راجوری کو ضلع کا درجہ حاصل ہوا جو اب تک قائم ہے۔

[1] مولانا مہر الدین قمر- کتابچہ چودھری دیوان علی

پروڑی گجراں میں ''گجرجاٹ'' کانفرنس کا پہلا اجلاس

اجلاس کی تاریخ کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی ریاست بھر پچھڑے اور پسماندہ طبقہ جات سے تعلق رکھنے والے علما ذی شعور افراد و صوفیا اکرام کو حضرت میاں نظام الدینؒ کی جانب سے دعوت نامے بھیجے گئے ہر گاؤں میں ہر سر کردہ افراد کو مطلع کیا گیا کہ اجلاس میں شرکت کریں چنانچہ ۲۹- چیت ۱۹۸۹ء بکرمی بمطابق ۱۲-اپریل ۱۹۳۲ء کو پروڑی گجراں گاؤں (راجوری) میں گجرجاٹ کانفرنس کا پہلا اجلاس حضرت بابا میاں نظام الدینؒ کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں بیس ہزار کے قریب لوگوں نے شرکت کی گجروں کے علاوہ اور بڑی تعداد میں دیگر قوموں کے لوگ بھی شامل ہوئے اسٹیج پر آپؒ اور دیگر گجر شخصیات کے ساتھ ساتھ حاجی سید نوران شاہ[22] صاحبؒ بھی موجود تھے۔ اس اجلاس کی کاروئی مولانا مہر الدین قمرؔ راجوروی چلا رہے تھے۔ اجلاس کے دوران قمر صاحب کو آپ نے اپنے خط اور نظم کے بارے میں کچھ کہنے کے لئے کہا تو قمر صاحب نے جلسہ عام میں بتایا کہ آپ کو بلانے کا مقصد یہی تھا۔ کہ ریاست بھر میں بکھری ہوئی پسماندہ قوموں اور برادریوں کو ایک جھنڈے تلے اور آپ کی قیادت میں اکٹھا کیا جائے۔ یہ آپ کی عنایات اور کرم فرمائی کا ہی صدقہ ہے۔ کہ آج پروڑی گجراں میں

22۔ گجرجاٹ کانفرنس کی تشکیل حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے دولت کدہ پر ہونا ورکنگ کمیٹی میں سید محمد شاہ آزاد کا شامل ہونا۔ اور ''گوجر جاٹ'' کانفرنس کے اسٹیج پر حاجی نوران شاہ کا وارد ہونا اس بات کا غماز ہے۔ کہ حضرت میاں نظام الدینؒ کے ذہن میں فرقوں کا تضاد یا امتیاز نہ تھا۔ بلکہ وہ اس تحریک کو پہاڑی علاقوں میں آباد گجر قوم کے ساتھ ساتھ دیگر طبقہ کے غریب افراد کو بھی اپنے ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ جس طرح آپ، کے قافلوں میں دوسرے طبقوں کے لوگ ہوتے جس طرح آپ دوسری برادریوں کے لوگوں کی اُن کے گھروں میں جا کر دینی اصلاح فرماتے تھے اسی طرح گوجر جاٹ کانفرنس کے دروازے بھی گجر قوم کے علاوہ ہر غریب افراد کے لئے کھلے رکھے تھے۔ تاکہ انہیں بھی جائز حق دلوایا جا سکے، پروڑی گجراں میں گوجر جاٹ کانفرنس رانا فضل حسین راجوروی کے والد محترم چودھری فیض حسین صاحب کی استدعا پر ہوئی اور اُن کے گھر کے قریب ہی کانفرنس میں مندوبین کے کھانے پینے کا اہتمام ہوا تھا۔

پونچھ، راجوری، جموں وادی کشمیر اور مظفر آباد سے لوگ شرکت کے لئے آئے ہیں۔ اور تاریخ کے اس آڑے وقت میں آپ سے التجا کی جاتی ہے کہ اس قوم کو آگے لانے کے لئے اس کی قیادت کریں جس کے لئے تاریخ ہمیشہ آپ پر فخر کرے گی کہ آپ نے ان کی شیرازہ بندی کی ہے۔ اُس کے بعد بیس ہزار افراد کے اجتماع نے آپ کی قیادت پر اپنے یقین اور اعتماد کی مہر ثبت کر دی امیر القوم کے خطاب سے نوازا اور امیر القوم زندہ باد کے نعروں سے آپ کی صدارت کی توثیق کر دی۔

اُس کے بعد امیر القوم حضرت میاں نظام الدینؒ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا۔ ''خُداوند تعالیٰ کا احسان ہے کہ اگر دوسروں کو خوشی اور شادمانی ملی ہے۔ اور تمہیں یاس وحُزن نوحہ وماتم گریہ وفغاں حصّہ میں آیا ہے۔ تو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ بھی حالات ونتائج کا ایک دور ہے۔ جو نوبت بہ نوبت دنیا کی ہر شے پر طاری ہوتا رہتا ہے۔ باغ میں وہ کون سا درخت ہے جس نے خزاں نہ دیکھی ہو۔ یہ سب کچھ قانون اللہ ہی کے تحت ہوتا ہے۔ چمن میں بہار اور خزاں کا انقلاب دریاؤں میں مدوجزر کا اُتار چڑھاؤ قوموں کا عروج وزوال سب اُس کے حکم سے ہے۔ جن اقوام نے راہ امید اختیار کی اُن کے لئے امید زندگی ہے جنھوں نے اس سے روگردانی کی اُن کے لئے نامرادی ہے۔ قدرت نے اُمید کا دروازہ کسی قوم پر بند نہیں کیا اُس نے نعمت اور افلاس کسی قوم کو ورثہ میں نہیں دیا پھول اور کانٹے دونوں پیدا کیے اگر کوئی جان بوجھ کر کانٹوں پر چلتا ہے پھول نہیں چُنتا اُن کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا تو اُسے اپنی کم عقلی پر رونا چاہیے۔ بھلا باغبان کا کیا قصور۔''

پھر عوام سے یوں مخاطب ہوئے۔ ''میں تمیں بار بار کہہ چکا ہوں اپنی تنظیم کی فکر کرو آپس میں اتحاد اور یگانگت پیدا کرو آج جس گلہ کا حق مجھے تم پر پہنچتا ہے تم اُلٹے وہ گلہ مجھ سے کر رہے ہو خیر کوئی بات نہیں اگر اب بھی تمیں ہوش آ گیا ہے تو غنیمت ہے مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔''

پھر حاجی نوران شاہؒ کی طرف متوجہ ہوئے جو سٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ''میرے بزرگ باپ نے فقر کی دولت آپ کے سُپرد کر دی ہوئی ہے اس قوم کے لئے دُعا کریں کہ قدرت اس قوم کو مخدوم کرے'' اُس وقت حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے ہاتھ دُعا کے لئے اُٹھے تو آمین کہنے کے لئے ۲۰ ہزار افراد کے ہاتھ بلند ہوئے اور آمین ثمہ آمین کی صدائیں فضاؤں کو چیرتی عرش الٰہی کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ میاں نظام الدینؒ نے اسلام کے اندر فرقہ

بندی اور طبقوں میں منافرت کے خلاف آواز اُٹھائی اور بتایا کہ دُنیا میں دو ہی طبقے ہیں)۔ ایک امیر اور دوسرا غریب اور ہماری تحریک غریب اور مظلوم لوگوں کی فلاح بہبود اور اُن کی سربلندی کے لئے شروع ہوئی ہے۔ اس لئے ہمیں یہ لڑائی فرقوں اور طبقوں کے تضاد سے اُوپر اُٹھ کر لڑنی ہوگی آپ نے فرمایا۔

''میں آپ کے سامنے اِن ہی مقدس الفاظ کا مفہوم دوہراتا ہوں۔ جو آج سے صدیوں پہلے بانیِ اسلام نے عرفات کے میدان میں فرزندانِ اسلام کی ایک بھاری جمعیت میں اپنی الہامی مقدس زبان سے ادا فرمائے تھے۔ یعنی اے لوگو تمہارا خدا ایک ہے۔ باپ ایک ہے۔ تم سب ایک ہی پیڑ کی شاخیں ہو۔ تم شعوب وقبائل کی شکل میں پیدا کئے گئے۔ شعوب قبایل کی تقسیم صرف پہچان قووت اور محبت کے لئے ہے۔ یعنی کسی قوم کی بلندی نسب سے نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہی اس کی بلندی کا معیار ہے۔ مِلت اسلامیہ کے افراد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ انہیں ایک جسم اور ایک ہاتھ کی اُنگلیوں سے تشبیح دی گئی ہے۔ جس طرح چھوٹی اُنگلی کو معمولی تکلیف ہو تو تمام جسم پر اثر ہوتا ہے۔ تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کہ ریاست جموں کشمیر کے لاکھوں انسانوں کی پسماندگی اور اقتصادی کمزوری دوسری اسلامی جمعیت پر اثر انداز نہ ہو۔ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ جس طرح حکومت نے ریاست میں رہنے والے پچھڑے ہوئے اور پسماندہ قبائل اور برادریوں کے حقوق کو نظر انداز کیا ہے۔ عین اسی طرح ریاست میں دوسری قوموں نے بھی کیا جن کے ساتھ ان کا اسلامی رشتہ تھا۔ ان کے حقوق کو غصب ہی نہیں کیا گیا۔ بلکہ وہ نسلیت جاگیرداری اور چکداری کے مہلک حربوں سے پوری قوت کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔ اُن کے دلوں میں اخوت مساوات اور یگانگت کی جگہ رعونت، تعصب، اور ذاتیات نے لے لی ہے۔ اتحاد مذہب کے تحت جس طرح میں اس کوشش میں ہوں کہ اخوت کے روحانی نسخہ سے نسلی امتیاز کے مریض اچھے ہوجائیں اسی طرح نسلی اتحاد کے تحت مجھ پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ کہ میں ان طالع آزماؤں اور سرکاری قصابوں سے کہہ دوں کہ یہ مظلوم قبائل اور برادریاں ڈھوروں کا غلہ نہیں۔ ملت اسلامیہ کی ایک جمعیت ہے۔ اور ان کے سیاسی حقوق کے حصول کے لئے میری اولاد میرا مال وجائداد اور میرے جانباز سپاہی اور میری زندگی کی آخری سانس تک وقف ہے تاکہ اس مظلوم جمعیت کو آزاد اور خوش حال قوموں کے دوش بدوش چلنے کا موقع میسر آجائے۔''

ریاست جموں وکشمیر کے نامی گرامی سیاسی رہنما اور روحانی پیشوا امیر القوم میاں نظام الدینؒ کی اس تقریر کا

عوام پر زبردست اثر ہوا اور اُن کو اپنے حقوق کے لئے لڑنے کی تقویت ملی۔ اس طرح ۱۹۳۱ء پونچھ میں بننے والی گُجر اصلاحی کمیٹی نے آخر کار ۱۹۳۲ء میں موصوف کی رہنمائی میں ''گوجر جاٹ'' کانفرنس کی شکل اختیار کی اور یہ ریاست گیر تحریک میں بدل گئی۔ اس سلسلہ میں مولانا مہر الدین قمرؔ نے بابا نگری میں امیر القوم سے مل کر اس تنظیم کے لائحہ عمل، سیاسی ہدف سماجی نسب العین اور شاندار و جاندار ماضی والے قبایل کے کھوے ہوئے تشخص کو بحال کرنے کے منصوبے مرتب کیے اور اس کی تشہیر کے لئے آپؒ نے ریاست بھر میں دورے کیے آپ نے محسوس کیا کہ اپنے لوگ بے یار و مددگار ہیں۔ اور اُن کا کوئی قائد نہیں کوئی رہبر نہیں تو اُن کی رہبری مدد اور معاونت کے لیے میدان میں آگئے۔[1]

پروڑی گُجراں میں امیر القوم کی صدارت میں ہونے والی پہلی گوجر جاٹ کانفرنس کو اپنے قبائل اور برادریوں میں جاگیرتی لانے اور شعور بیدار کرنے میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اور دُور دراز علاقوں سے آئے ہوئے مندوبین حضرات جب اپنے گاؤں میں واپس لوٹے تو اُن کے اندر اعتماد، اُمید اور اُمنگ کی جوت جل رہی تھی۔ امیر القوم کی شکل میں اُنہیں اپنا رہبر مل چکا تھا۔ گجر جاٹ کانفرنس اور مسلم کانفرنس ۱۹۳۲ء میں ساتھ ساتھ وجود میں آئیں اگر چہ دونوں کا آپس میں کوئی ٹکراو نہ تھا شیخ محمد عبداللہ اور امیر القوم میں دوستانہ روابط بھی تھے گہرے دوستانہ تعلقات قائم تھے لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ مسلم کانفرنس کے رہنما پہاڑوں میں آباد لوگوں اور قبائل کے مسائل سے روشناس نہ تھے۔ اس لئے امیر القوم نے گجر جاٹ کانفرنس کے جھنڈے تلے ان لوگوں کی سیاسی پہچان کو بنائے رکھنے میں ہی اپنے عوام کا فائدہ سمجھا۔

گجر جاٹ کانفرنس میں یہ بھی طے پایا تھا کہ شاہوکاری نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے گاؤں میں اہل توفیق گجر ضرورت کے وقت غریب کسانوں کو غلہ اُدھار دیا کریں جس پر کوئی سود نہ ہو اِسے غلہ بنک بھی کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ''پروڑی'' کانفرنس کے بعد پونچھ اور راجوری میں عوامی سطح پر غلہ دیا جانے لگا۔ چودھری غلام حسین لسانوی نے پھاگلہ کے مقام پر مولوی لعل الدین کو مقرر کیا تھا تاکہ وہ ضرورت مندوں کو غلہ مہیا کرتا رہے۔[2]

---

[1] کتابچہ چودھری دیوان علی تحریر مولانا مہر الدین قمر راجوروی

[2] نوجوانوں سے خطاب۔ کتابچہ۔ تحریر مولانا مہر الدین قمرؔ............ میاں بشیر احمد صاحب

خواب جو شرمندہ تعبیر ہوا

۱۹۳۳ء تک آتے آتے شیخ محمد عبداللہ عوام کے مقبول ترین اور کشمیر کے مسلمہ رہنما بن چکے تھے۔امیر القوم میاں نظام الدین شیخ صاحب کی سیاسی جدوجہد سے نہایت متاثر تھے۔اُس زمانے میں آپ مختلف چراگاؤں میں موسم بہار میں شکار کھیلنے جایا کرتے تھے اِن چراگاؤں میں تلیل خاص طور پر جایا کرتے تھے۔اور اپنے لوگوں میں رہا کرتے تھے۔ایک دفعہ آپ رات کے وقت سوئے ہوئے تھے۔خواب میں دیکھا کہ آپ تانگے پر سوار ہو کر سرینگر شہر سے گزر رہے ہیں۔تانگہ امیرا کدل سے زینہ کدل کی جانب جا رہا تھا۔راستے میں خانقاہ معلی کے قریب پہنچے تو آذان کی آواز آئی آپ نے تانگہ رکوایا۔مسجد میں داخل ہوئے اور نمازیوں کی صف میں کھڑے ہو گئے۔جہاں پہلے سے کچھ آدمی کھڑے تھے۔اور امام کا انتظار کر رہے تھے۔اتنے میں شیخ محمد عبداللہ مسجد میں داخل ہوئے اُن کے سر پر گلابی رنگ کا عمامہ تھا۔وہ مسجد میں نماز ادا کراتے ہیں۔دُعا کے بعد شیخ صاف صف میں کھڑے لوگوں سے ملتے ہیں۔پھر امیر القوم کے قریب آ کر دریافت کرتے ہیں کہ "آپ نظام صاحب ہیں؟" بابا صاحب 'ہاں' میں جواب دیتے ہیں۔شیخ صاحب بڑے تپاک سے امیر القوم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیتے ہیں۔اور کہتے ہیں "میں بڑی دیر سے آپ کو ڈھونڈ رہا تھا۔" اتنے میں آپ بیدار ہو جاتے ہیں۔اور دیر تک اس خواب کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔

کچھ دن تلیل میں گزارنے شکار کرنے اور بکروالوں کی خیمہ بستیوں میں تبلیغ کے کام کو جاری رکھنے کے بعد آپ واپس بابا نگری تشریف لے آئے پھر سرینگر کا پروگرام بنا آپ گاندربل سے تانگہ پر سوار ہوئے جب تانگہ خا

نقاہ معلی کے قریب سے گزرنے لگا تو اذان ہوگئی موصوف نے تانگہ بان کو روکا تانگہ سے اُترے اور خانقاہ معلی میں نماز کے لئے تشریف لے گئے اندر لوگ صف باندے کھڑے تھے آپ بھی کھڑے ہو گئے مگر امام کا انتظار تھا اسی دوران کشتی میں سوار شیخ محمد عبداللہ مسجد کی طرف آئے اور اندر آکر امامت شروع کی نماز کے بعد شیخ صاحب صف میں کھڑے لوگوں سے ملتے ملتے امیر القوم کے قریب آئے اور نام دریافت کیا موصوف نے نام بتایا اور فرمانے لگے۔ ''اچھا آپ نظام صاحب ہیں'' پھر شیخ صاحب نے موصوف کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما اور تانگہ پر سوار ہوکر آپ کے ساتھ خانیار سرینگر پیر مقبول شاہ کے گھر چلے گئے پیر مقبول صاحب شیخ صاحب اور امیر القوم کے درمیان کشمیر کی سیاسی صورتِ حال اور پہاڑوں میں آباد لوگوں کی پسماندگی کے بارے میں مذاکرات ہوئے۔ اور آیندہ سیاسی لائحہ عمل طے پایا اس لئے مستقبل میں اگرچہ ''مسلم کانفرنس'' اور ''گوجر جاٹ کانفرنس'' نے اپنے اپنے طور سے حریت کی تحریک کو متحرک کیا لیکن موصوف اور شیخ صاحب کے درمیان ذاتی طور پر گہرے مراسم رہے۔[1]

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد صاحب

امیر القوم میاں نظام الدینؒ کی کاوشیں

۲۷-۱۹۳۲ء کا عرصہ میاں نظام الدینؒ کا دینی اور سیاسی شباب کا زمانہ تھا۔ اُس دور میں آپ نے گوجر جاٹ کانفرنس کو تشکیل دے کر ریاست جموں کشمیر کے پہاڑوں میں بکھرے ہوئے لوگوں کی شیرازہ بندی کر کے انھیں تابناک مستقبل کی راہ دیکھائی ناخواندہ لوگوں میں دینی اور سیاسی شعور پیدا کیا اُس وقت آپ جوانی کی دہلیز پہ کھڑے تھے آپ کے سینے میں روحانیت کا الاؤ روشن تھا آپ کی پُرنور صورت کو دیکھ کر لوگ متاثر ہونے کے بغیر نہیں رہتے تھے۔ آپ کا خوبصورت دوہرا بدن چہرا مبارک پر سجی ہوئی سنتِ رسولؐ فراخ ماتھا صورت کا جل وجلال گفتار میں مٹھاس اور مروت برتاؤ میں شفقت اور اپنایت انداز میں وقار اور مدبرانہ پن مسلوں سے نبرد آزما ہونے میں آپ کا حوصلہ صلاحیت اور عزم دینی و روحانی معاملوں میں آپ کا منفرد انداز اور اُسلوب آپ کی شخصیت کو عام آدمی سے بلند کرتا تھا۔ آپؒ دین کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر دنیا کے سمندر میں آگے بڑھ رہے تھے۔ آپ نے وہی کھایا جو حلال تھا۔ وہی لگایا جو جائز تھا۔ وہی کہا جو حق تھا اور لگاتار راہ حق کی طرف گامزن رہے۔

اُس زمانے میں آپؒ راجوری پونچھ اور دوسرے علاقہ جات میں اکثر روحانی اور دینی تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔ میزبان کے گھر میں لنگر جاری ہوجاتا گاؤں کے گاؤں اُمڈ پڑتے راتوں کو دیر گئے تک

مجالس ہوتیں تھیں دین اور شریعت کی باتیں ہوتیں تھیں خود سالک صوفی کی طبیعت رکھتے تھے اور عقیدتمندوں کو ترک دنیا کی راہ دکھانے کے بجائے انسانوں میں رہ کر انسانیت کی خدمت کرنے اور بھرپور عملی زندگی گزارنے کی تلقین کرتے اکثر فرماتے کہ ''زندگی کو غنیمت جانو، عمل زندگی کا اجر ہے، آخرت کے لئے کچھ بناؤ'' ایک دن موضع تھکیالہ پونچھ میں سردار عباس علی کے گھر بیٹھے ہوئے تھے عقیدت مندوں کی بہت بڑی مجلس تھی اک شخص نے

(۱) چودھری اقبال عظیم (۲) کتابچہ حضرت خواجہ میاں نظام الدین مصنف مہر الدین قمر راجوروی (۳) تھکیالہ آج کل آزاد کشمیر کے دوسرے حصے میں واقع اور ضلع کوٹلی کا سب ڈویژن ہے۔

کہا سبحان اللہ سرہند شریف خطہ کی کتنی بڑی عظمت ہے آپ نے فرمایا ''سرہند کی عظمت نہیں سرہند والے کی عظمت ہے۔'' جس کے باعث سرہند کی عظمت ہے فرمایا کہ ''حضرت یحیٰؒ معاذ کے ایک بھائی تھے جنھوں نے مکہ معظمہ میں مجاوری اختیار کرلی تھی ایک بار اُنھوں نے یحیٰؒ معاذ کو خط لکھا کہ میرے دل میں تین آرزوئیں تھیں پہلی یہ کہ عمر کا آخری حصہ مقدس مقامات پر گزاروں وہ پوری ہوئی کہ کعبہ مکرمہ میں اقامت اختیار کی دوسری یہ کے میرے پاس ایک خدمت گزار ہو خداوند کے کرم سے مجھے کنیز مل گئی۔ اور تیسری یہ کہ مرنے سے پہلے آپ کا دیدار کروں۔'' حضرت یحیٰؒ معاذ نے جواب لکھا کہ ''پہلی آرزو کے متعلق یہ کے تم مقدس جگہ کے بجائے خود مقدس بننے کی کوشش کرو پھر جہاں چاہو رہو دوسری یہ کہ اگر تم میں ہمت ہوتی تو بندہ خدا کو خادم نہ بناتے بلکہ خود دنیا میں خادم بن کر رہتے۔ لیکن تم مخدوم بننے کی کوشش کر رہے ہو تمہاری تیسری آرزو کے متعلق یہ کہ اگر تم کو خدا سے وابستگی ہوتی تو تمہیں میرا خیال بھی نہ آتا اور تم فقط خدا کی یاد میں مشغول ہوتے کیوں کے خدا کی راہ میں اولاد قربان کر دی جاتی ہے۔ بھائی کیا چیز ہے۔'' اس بات کا اتنا اثر ہوا کہ ساری مجلس رو پڑی اکثر نماز ادا کرتے وقت رو پڑتے تھے۔
ایک دن مولانا مہرالدین قمرؔ نے پوچھا حضرت آپ اتنا کیوں روتے ہیں فرمایا خُدا کی محبت میں جس کی آنکھیں تر ہوں۔ اُس کی حقیقی محبت اور زیادہ فروغ پاتی ہے۔ پھر پوچھا قبر کے ذکر سے آنکھیں کیوں غمناک ہوتی ہیں۔ تو موصوف نے فرمایا ''انسان کی روح قبض ہونے کے بعد قبر تک اُس کے فرزند اور ہمسائے اور اقربا ساتھ ہوتے ہیں۔ محشر میں بھی جنت اور دوزخ میں بھی ساتھ ہوگا۔ لیکن قبر کی تنہائی اور اندھیرے میں کوئی ساتھ نہیں ہوگا قبر پکار پکار کر کہتی ہے۔ میں تنہائی کا گھر ہوں۔ میں اندھیروں اور تاریکیوں کا گھر ہوں میں کیڑوں زہریلے سانپوں اور بچھوں کا گھر ہوں۔ اس لئے تریاق لے کر آنا قبر ہی امتحان گاہ ہے۔ قبر میں ہی سزا اور جزا کی بات ہوتی ہے۔ یا بریّت اور خلاصی کا پروانہ ملتا ہے۔ یہ امتحان تین سوالوں پر منتج ہوگا۔ یعنی ''تیرا ربّ کون ہے۔؟ تیرا دین کیا ہے۔؟ اور تیرا نبی کون ہے۔؟''

ایک دن محفل لگی ہوئی تھی تو حاجی بابا صاحبؒ نے ارشاد فرمایا ''دُنیا اور عاقبت دونوں حقیقی بہنیں ہیں۔ ان دونوں سے ایک ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔ دونوں میں سے ایک کو طلاق دینا پڑتی ہے۔ دُنیا کو چھوڑ دو تو دین ملے گا۔ عاقبت سنورے گی عاقبت چھوڑو گے تو دُنیا ملے گی۔ اس دُنیا میں ہر شے تغیر پذیر ہے۔ اور ہم یہاں طول

العمل کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں اصل میں دُنیا ایک ماتم کدہ ہے۔ اس میں کسی نے بھی حسبِ خواہش آرام نہیں دیکھا۔ فقیر بھی، دردمند بھی، گداگر بھی حیران، بادشاہ بھی پریشان، یہ اُجڑنے والا دنگل، یہ فانی میلہ، کتنا عارضی اور یاس انگیز ہے۔ اس دارِفانی کا قیام کس قدر مختصر ہے۔ اور تاسف خیز ہے۔" فرمایا "فقیر وہ ہے کہ اس کی خاموشی فکر کے ساتھ اور اُس کی گفتگو ذکر کے ساتھ ہو۔ بہترین قول ذکر ہے، بہترین فعل عبادت ہے، بہترین خصلت حلم ہے۔ وہ بات جو ذکر سے خالی ہو لغو ہے۔ وہ خاموشی جو فکر سے خالی ہو سہو ہے۔ بیماریوں میں سب سے بُری بیماری دِل کی بیماری ہے اور دِل کی بیماریوں میں سب سے بُری بیماری دِل آزاری ہے اخلاق انسان کی سب سے بڑی دولت ہے۔" ایک دفعہ موضع پنہڈ خواجہ محمد عرف کھوجہ نمبردار کے ہاں قیام پذیر تھے عشاء کے بعد کچھ ساتھیوں سمیت بیٹھے ہوئے تھے۔ فتح محمد نامی گویا جو پڑھا لکھا تھا۔ اور بہت حاضر مجلس تھا اُس نے مولانا مہرالدین قمرؔ سے کہا کہ "اگر آنجناب اجازت دیں تو کچھ سُناؤں" مولانا نے حضرت سے فتح محمد کی خواہش کا ذکر کیا حضرت صاحب نے فرمایا "بہت اچھا" فتح محمد نے یوں راگ چھیڑا۔

اللہ، اللہ کا مزہ مُرشد کے میخانے میں ہے...... سارے عالم کی حقیقت ایک پیمانے میں ہے

یہ شعر سن کر موصوف پر رقت طاری ہوگئی سُننے والے بھی نیم بسمل ہو گئے پھر نعتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔[1]
مولانا مہرالدین قمرؔ اس مجلس کے بارے میں رقمطراز ہیں "سبحان اللہ کیا ذوق تھا، کیا مجلس تھی، کیا مبارک رات تھی کیا تاثیر تھی، دِل بیقرار تھے آنکھیں اشک بار تھیں ساری رات اسی مبارک شغل میں گذر گئی یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوگئی۔ حضرت صاحب نے پوچھا "کیا عشاء کی اذان ہے؟" عرض کیا "حضور صبح کی اذان ہے" حیران ہو کر فرمایا "سبحان اللہ گھنٹوں کی رات منٹوں میں بسر ہوگئی۔" ایک دفعہ حضرت لار شریف میں باباجی صاحبؒ کے مزار مبارک کے باہر پتھر کی سلوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی زرچے لایا بڑے لذیذ تھے۔

حاجی بابا صاحبؒ نے اپنے ہاتھ سے زرچے بانٹنے شروع کر دیئے اور فرمایا "کہ رسول اکرم کا ارشاد ہے کہ "سخی اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ لوگوں سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے، اور آگ سے دُور ہے، بخیل اللہ تعالیٰ سے دُور ہے جنت سے دور ہے، لوگوں سے دُور ہے اور دوزخ کے قریب ہے۔"

[1] مولانا مہرالدین قمرؔ۔ کتابچہ میاں نظام الدین لاروی

میاں بشیر احمد صاحب کی یادیں

اپنے بچپن کے بارے میں میاں بشیر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ۱۹۲۸ء میں میری عمر چھ سال تھی جب میں بابا صاحب اور امی حضور کے ساتھ براستہ اُوڑی حاجی پیر پونچھ گیا حاجی پیر اور اوڑی کے درمیان خواجہ بانڈی گاؤں ہے جہاں سردار محمد حسین مغل کے گھر رات کو قیام ہوا اُس وقت میرے دودھ کے دانت نکل رہے تھے وہاں سے دوسرے دن ہم پرانی پونچھ خواجہ عبداللہ جُو اور حبیب جُو کے گھر آئے وہ بڑے لوگ تھے پھر اُس زمانہ میں پونچھ کی سب سے بڑی درگاہ سادات قادریہ گیلانیہ خانقاہ پرانی پونچھ کے سجادہ نشین پیر حسام الدین صاحب کی دعوت پر ہم اُن کے گھر آئے اور دس دن قیام کیا۔ اس دوران شہر میں کئی ارادتمندوں کے ہاں آنا جانا رہا۔ میں نے پہلی بار پونچھ کا بازار دیکھا۔ اور دوستوں کے ساتھ باغ ڈیوڑھی سے زنانہ پارک اور ڈنگس تک سیر کرتا رہا۔ پھر چنڈک میں قاضی بدر الدین اور صدر الدین کے ہاں کچھ دن رہے۔ پھر لسانہ آ گئے۔ بابا صاحبؒ کی ارادتمندوں کے ساتھ روحانی محفلیں اور مجالس ہوتیں تو میرا شغل ہم عمر لڑکوں سے کھیل کود ہوتا تھا۔ لسانہ میں چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کی والدہ محترمہ کا گھر میں خوب دبدبہ تھا۔ انہیں باباجی صاحبؒ پر بڑا یقین تھا۔ وہاں کچھ دن قیام کے بعد ہم اپنے گھر موہڑا (بچھائی) آ گئے وہاں مٹھو مقدم سرولیاں کے پیر سید علی شاہ اور خُدا بخش زار کے بڑے بھائی میاں فتح محمد میرے دوست ہو گئے۔ لیکن مجھے اپنے بھائیوں کی یاد ستاتی تھی جو وانگت میں تھے اس لئے جب روٹی میرے لئے لاتے تھے تو میں اصرار کرتا کہ میرے بھائیوں کو لاؤ پھر کھاؤں گا۔ پھر کہتا دہی لاؤ تو روٹی کھاؤں گا۔ امی حضور رونے لگیں بابا صاحبؒ نے دریافت فرمایا ''کیوں روتی ہو۔ اُنھوں نے کہا ''گھر میں سب کچھ تھا۔ یہاں بچہ دہی کے لئے رو رہا ہے۔'' حضور بابا صاحب نے خُدا بخش زار کو فرمایا ''یہاں کسی کو علم نہ ہو آپ جا کر بھینس خرید لاؤ زار صاحب نے اسی روپے میں بھینس خرید لائی۔ جب وہ بھینس خرید کر لائے اور ہمارے گھر کے قریب پہنچے تو لوگ اکٹھے ہو گئے زار صاحب کو کہنے لگے یہ ''انتظام تو ہم نے کرنا تھا۔'' دوسرے روز مرہوٹ گاؤں میں لوگ جمع ہوئے۔ آپس میں مشورہ کیا اور بابا صاحبؒ سے کہا ''اگر آپ مناسب

سمجھیں تو مرہوٹ گلی میں تشریف لے چلیں۔'' جب حضرت وہاں تشریف لے گئے تو عقیدت مندوں نے بہت سے دودھ دینے والے جانور نذر کیے اس طرح موہڑا بچھائی میں بھی دودھ کی ندی بہنے لگی۔ موسمِ سرما کے ایام موہڑا بچھائی میں ہی بیعت کیے۔ مئی ۱۹۲۹ء میں ہم درہ پیر پنجال وانگت (بابا نگری) کی جانب روانہ ہوئے جب بہرام گلہ پہنچے تو حاجی نوران شاہ صاحبؒ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ ''لاہ'' راجوری سے یہاں تشریف لے آئے۔ انہیں کا ترکھل شوپیاں جانا تھا۔ بہرام گلہ میں باباصاحبؒ کے چاہنے والوں کے کئی قافلے آن ملے۔ جب ڈگراں پہنچے تو موسم ابر آلود ہو گیا برسات شروع ہو گئی سردی سخت شدت اختیار کر گئی اس لئے چھ دن یہاں رکنا پڑا حاجی صاحبؒ کے صاحبزادے چونکہ میرے ہم عمر تھے اس لئے دن کو خوب کھیلتے کودتے رہے۔ اسی دوران عیدالاضحیٰ کا تہوار آ گیا ہم سب نے ڈگراں میں عید منائی قربانی کا گوشت پورے گاوں میں تقسیم کیا گیا۔ مینڈھر اور سرنکوٹ کے معتقد بھی ساتھ تھے جو ہمیں رُخصت کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جب موسم خوشگوار ہوا تو قافلہ درہ پیر پنجال کی طرف بڑھا اور چرار شریف آئے وہاں سے تانگہ پر بیٹھ کر سرینگر پہنچے سرینگر میں دانہ بازار چھتہ بل میں اپنے مکان میں آئے۔ یہ مکان باباجی صاحبؒ نے خریدا تھا جس کی دیواریں چینی ساخت کی لپائی سے بنی ہوئی تھیں جس پر قرآن شریف کی آیات اور فارسی کے شعر کندہ تھے کچھ دن یہاں ہی رکے پھر گھر آئے سڑک نہ ہونے کی وجہ سے موٹر گاڑی صرف وایل تک ہی آیا کرتی تھی وایل سے سرینگر پہنچنے تک گھوڑوں کا سفر ہوتا تھا اس لئے وہاں گھوڑے لے کر لوگ منتظر تھے اور ہم گھوڑوں پہ سوار ہو کر اپنے گھر بابانگری پہنچے۔

میاں بشیر احمد صاحب کا بچپن:- ۱۹۲۹ء میں میاں بشیر احمد صاحب کی عمر سات برس کی تھی۔ یہ وہ عمر ہوتی ہے۔ جب والدین بچوں کی ذہنی نشونما کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں۔ آپ کے والد محترم امیر القوم نے بھی آپ کی تعلیم اور تربیت کی طرف توجہ دی۔ ابتدائی تعلیم کا بندوبست گھر میں ہی کیا گیا۔ ضلع راجوری علاقہ بدھل سے تعلق رکھنے والے مولوی محمد عبداللہ چیچی جنہیں دربار باباجی صاحبؒ سے بڑی عقیدت تھی سردیوں کے ایام میں آپ بدھل اور گرمیوں میں آپ اپنا مال مویشی لے کر تلیل اور گریس کی چراگاوں میں جایا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کو اُردو، فارسی اور عربی پہ عبور تھا۔ اس لئے بڑے اچھے معلم تھے۔ حسب معمول ۱۹۲۹ء میں اہلِ خانہ

کے ساتھ جب آپ دربار باباجی صاحبؒ پہ حاضر ہوئے تو میاں نظام الدینؒ نے آپ کو بچوں کے پڑھانے پر مامور کیا اور فرمایا کہ ''مولوی صاحب انہیں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیجیے'' مولوی صاحب[23] انکار نہ کر سکے اور اپنے بیٹے مولانا محمد اسماعیل ذبیح سمیت یہاں رُک گئے حضور باباصاحبؒ نے قریب کے ''لامن'' گاؤں میں مسجد کے زیر سایہ ایک مکان تعمیر کرایا۔ اِس مکان میں مولوی صاحب کی رہائش تھی مسجد میں میاں بشیر احمد صاحب اور اُن کے دوسرے بھائیوں کی باضابطہ پڑھائی اور نماز کا سلسلہ شروع ہوا۔ تعلیم کی بسم اللہ ہوئی۔ مکتب کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو مروجہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ پرائمری سکول وانگت میں داخل ہوئے۔ پانچویں جماعت کا امتحان اِسی سکول سے پاس کیا۔ سکول نہ ہونے کی وجہ سے تعلیمی سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا البتہ آپ نے دینیات کی تعلیم بڑے بڑے علما سے حاصل کی حصولِ تعلیم کے لئے آپ مولانا فضل الرحمان صاحب کے پاس مظفرآباد بھی رہے آپ نے جن علما سے پڑھا اُن میں مولانا فضل الرحمان صاحب (مظفرآباد) مولانا عبدالقدوس (ولیواڑ) اور مولانا محمد ابراہیم (چھترگل) قابلِ ذکر ہیں۔ سردیوں کے ایام میں امیر القوم میاں نظام الدینؒ اکثر وانگت سے پونچھ اپنے اہل خانہ کے ساتھ تشریف لے جایا کرتے تھے۔ پونچھ موہڑا بچھائی میں آپ کی ایک سو چالیس کنال اراضی تھی۔ جہاں رہائش کے لئے آپ کا مکان، مسجد اور عبادت کے لئے حجرہ تعمیر کیا ہوا تھا۔

سردیوں کے ایام میں ریاست پونچھ کے گردونواح اور راجوری سے عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا پھاگن کے مہینے میں باباجی صاحبؒ کے سالانہ عُرس کی تقریب بھی یہاں منائی جاتی تھی جس میں عقیدت مندوں کی اچھی خاصی تعداد ہوا کرتی تھی میاں بشیر احمد بھی یہاں ہی ہوا کرتے تھے۔ موہڑا بچھائی میں اسکول نہ ہونے کی وجہ سے امیر القوم میاں نظام الدینؒ نے میاں بشیر احمد صاحب کو قریب کے گاؤں لٹھونگ میں ایک سکول

23ے مولوی محمد عبداللہ صاحب کا بکروال قوم سے تعلق تھا۔ راجوری کے قصبہ بدھل کے قریب اچھی خاصی زرخیز زمین تھی اور صاحب جائیداد تھے موسمِ بہار میں اپنے مال مویشی کو لے کر گریس سے ہوتے ہوئے بنڈش کی چراگاہوں میں جایا کرتے تھے دربار باباجی صاحبؒ کے شیدائیوں میں شامل تھے۔ مولانا محمد اسماعیل ذبیح صاحب آپ کے فرزند اکبر تھے۔ جو ۱۹۴۷ء کے فسادات کے بعد سرحد کے اُس پار ایبٹ آباد پاکستان میں جا بسے۔ بہت بڑے عالم دانشور، شاعر اور محقق گذرے ہیں۔

تھا وہاں ہی داخل کروادیا اسکول تک لے جانے اور واپس لانے کے لئے پڑوس کی پٹھان برادری کے نوجوان محمد سیدؔ خان کو معمور کردیا کہ وہ انہیں اسکول لے جائے اور واپس گھر بھی لائے۔ کیونکہ ان کی عمر چھوٹی تھی اور فاصلہ بہت تھا۔ محمد سیدؔ خان اپنے کاندھوں پر بیٹھا کر لے جایاکرتے تھے۔ اور واپس بھی لایا کرتے تھے۔ یہ اُن کا روزمرہ کا کام تھا۔

ایک دن میاں بشیر احمد صاحب اسکول نہ جانے کا اصرار کرنے لگے اور رونا شروع کردیا محمد سیدؔ خان کی چھاتی پہ لات مارنے لگے۔ سیدؔ خان کو غصہ آیا نیچے زمین پہ پٹخ دیا بات امیر القوم تک پہنچی تو اُنھوں نے دونوں کو اپنے پاس بُلایا صلح کروائی پھر دونوں کی دوستی نے وہ روپ اختیار کیا جو آج تک جاری رہا سردیاں گزرانے کے بعد امیر القوم میاں نظام الدینؒ جب واپس کشمیر آئے تو سرینگر مہاراجہ ہری سنگھ سے ملاقات کی اور وانگت میں اسکول کھولنے کے لئے کہا مہاراجہ چونکہ آپ کی بہت عزت اور احترام کرتا تھا۔ اسلئے اُسی وقت اسکول کھولنے کی منظوری دے دی اس طرح وانگت میں اسکول کھل گیا۔ یہ ۱۹۳۲ء کا زمانہ تھا۔ ۳۰-۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے۔ تھکیالہ پونچھ کے سردار فتح محمد کریلوی جو محکمہ پولیس میں ملازم تھے۔ اور سرنکوٹ میں تعینات تھے۔

سردار فتح محمد[24] کو حضرت میاں نظام الدین صاحبؒ سے بے حد عقیدت تھی۔ اور اُن کے دست شفقت پہ بیعت تھے۔ اسلئے اکثر سرنکوٹ سے گھوڑے پہ موہڑا بچھائی آیا کرتے تھے۔ اور میاں بشیر احمد سے کہا کرتے تھے۔ کہ آو میں تمہیں گھوڑسواری سکھلاؤں پھر اپنی گھوڑی پر بٹھا کر دُور لے جایاکرتے تھے۔ اور گھوڑسواری کے گُر سکھلایا کرتے تھے۔ وہ بڑے باہمت باجُرات اور بااخلاق شخص تھے۔ ایک بار گھوڑی کی زین ہلنے سے میاں صاحب نیچے گرگئے۔ تو سردار فتح محمد نے زور سے اپنا عصا میاں صاحب کی ٹانگوں پر دے مارا اور کہا کہ "زین پر

[24] سردار فتح محمد کریلوی نے جنوری ۱۹۳۲ء میں تھکیالہ پونچھ میں شاہوکاری نظام کے خلاف مہم چلائی اور سرکاری نوکری سے دستبردار ہوگئے۔ سیاست میں آگئے ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۶ء میں مسلم کانفرنس کی ٹکٹ پر پرجا سبھا کے ممبر رہے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ نے علاقہ تھکیالہ اور مینڈھر کے تقریباً دو ہزار ہندوں کو بچا کر سرحد کے اُس پار بھیجا تھکیالہ چونکہ آزاد کشمیر میں آچکا تھا اس لئے آپ وہاں کے ہی ہو کے رہ گئے لیکن وہاں کی سیاست میں دلچسپی نہ لی البتہ اُن کے فرزند ارجمند سکندر حیات خان آزاد کشمیر کے صدر رہے اور ۲۰۰۶ء کے دوران وزیر اعظم تھے آپ کو دربار باباجی صاحبؒ سے نہایت عقیدت ہے ۲۰۰۲ء میں جب حضرت میاں بشیر احمد صاحب آزاد کشمیر گئے تو سردار سکندر حیات خاں نے اُن کا شاندار استقبال کیا۔

بیٹھتے وقت ان چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔'' اس طرح میاں بشیر صاحب کو گھوڑ سواری کی عادت پڑ گئی اور سردار فتح محمد کریلوی نے آپ کو شاندار شہسوار بنا دیا۔

۱۹۳۱-۳۲ء میں تحریک حریت کشمیر شروع ہونے کے ساتھ میاں بشیر احمد صاحب کا سیاست کی طرف رجحان بڑھا۔ اُس وقت آپ کی عمر دس برس تھی۔ آپ اپنے پھوپھی زاد بھائی میاں لعل الدین عرف لالہ بھائی کے ہمراہ اکثر سرینگر جایا کرتے اُس زمانے میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے ایک دارالمطالعہ قیام کیا ہوا تھا۔ آپ بھی اکثر اس دارالمطالعہ میں آیا کرتے تھے۔ جہاں سیاسی سوجھ بوجھ کے لوگ تبادلہ خیال کیا کرتے تھے اور شخصی راج کے خلاف چرچے ہوا کرتے تھے۔

انتظامیہ میں مسلمانوں کی کم نمائندگی تعلیم کے فقدان اور لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے کے لئے مشورے ہوا کرتے تھے۔ اس طرح کی باتیں سُن کر میاں بشیر احمد صاحب کو اس مطالعہ ہال سے بڑی دلچسپی ہو گئی۔

اپنے گھریلو ماحول کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ میں نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہاں دینی، علمی اور ادبی ماحول تھا۔ بقول علامہ اقبال

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی

شیخ محمد عبداللہ کی شادی

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شیخ محمد عبداللہ کی شادی مسٹر مائیکل ہیری نیڈو کی صاحبزادی اکبر جہاں سے ہوئی۔ نیڈو سرینگر کے مشہور نیڈو ہوٹل کے مالک تھے۔ وہ یورپ سے آئے تھے۔ پونہ، لاہور اور گلمرگ میں اُن کے ہوٹل تھے۔ اکثر گلمرگ جاتے رہتے تھے۔ وہاں اُنھوں نے گجر خاندان کی ایک لڑکی میر جان کو پسند کیا۔ اور پھر نیڈو نے اسلام قبول کر کے شیخ احمد حسین نام رکھا اور میر جان سے شادی کی۔ میر جان کے بطن سے اکبر جہاں پیدا ہوئیں۔ ۳۳-۱۹۳۲ء میں اکبر جہاں کے شباب کے دن تھے جب شیخ صاحب کی آپ سے ملاقات ہوئی اُس زمانہ میں شیخ صاحب کی شہرت عروج پر تھی۔ اور ہیری نیڈو نے اس شہرت سے متاثر ہو کر بیٹی کا رشتہ اُن کے ساتھ طے کر دیا۔ یہ رشتہ کروانے میں مُفتی ضیاالدین پونچھی کا بڑا ہاتھ تھا۔

اس شادی میں شرکت کے لئے شیخ صاحب کی دعوت پر حاجی بابا صاحبؒ اور میاں محمد اکبر گلمرگ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں چار دن قیام رہا۔ شادی کے دن رات دیر تک دعوت جاری رہی۔ دعوت کے بعد شیخ صاحب نے حضرت صاحبؒ اور پیر مقبول شاہ کو ہوٹل کے مخصوص کمروں میں ٹھہرایا تھا۔

جب شادی کا وقت آیا تو شیخ صاحب نے ریاست کی برگزیدہ روحانی، مذہبی، سیاسی، اور سماجی شخصیتوں کو دعوت نامے ارسال کئے حضرت حاجی بابا صاحبؒ کو خصوصی طور سے دعوت دی گئی۔ شادی کی پارٹی گلمرگ نیڈو ہوٹل میں تھی۔ چنانچہ آپؒ گھوڑ سواروں کے قافلے کے ساتھ شادی کی دعوت میں شریک ہوئے اور دُلہا دُلہن کو روحانی نوازشوں سے سرفراز کیا۔ شیخ صاحب نے بڑے احترام کے ساتھ موصوف کو رخصت کیا[1]۔

---

[1] حضرت میاں بشر احمد

۱۹۳۴ء میں پرجا سبھا کے انتخابات

گیلانسی کمیشن کی رپورٹ کے تحت جموں وکشمیر کی حکومت میں عوامی شمولیت کے لئے پرجا سبھا وجود میں آئی۔ اور ۴ ستمبر ۱۹۳۴ء کو پرجا سبھا کے لئے ووٹ ڈالے گئے۔ مگر اس انتخاب میں ''گوجر جاٹ'' کانفرنس نے اپنے طور پر امیدوار کھڑے نہ کیے تھے لیکن دوسری جماعتوں نے پہاڑوں میں آباد قبائل کو نظر انداز کیا نتیجہ یہ ہوا کہ پرجا سبھا میں جموں کے ڈوگرے، کشمیری پنڈت کشمیری مسلمان اور جموں کے بارسوخ مسلمانوں کو تو نمائندگی ملی پہاڑوں میں مقیم قومیں اور برادریاں نظر انداز ہو گئیں۔ انھیں نہ تو حکومت میں حصّہ ملا۔ نہ تعمیر و ترقی کے دروازے ان کے علاقوں تک کھل سکے۔ اور نہ اُن کے بچوں کی تعلیم کا بندوبست ہو سکا۔ ان حالات میں امیر القومؒ ایسا طریقہ کار سوچنے پر مجبور ہوئے۔ پچھڑے عوام کی شناخت اور پہچان برقرار رہ سکے اور یہ لوگ اپنے تاریخی، سماجی، اور سیاسی مسایل کے بارے میں آواز اُٹھا سکیں ۱۹۳۲ء میں گوجر جاٹ کانفرنس وجود میں آ چکی تھی۔[1]

لیکن برادریوں میں بکھراؤ کے باعث اُن کی قوت پورے طور سے سامنے نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ یہ لوگ دُور افتادہ علاقوں میں مقیم تھے۔ جہاں رسل ورسائل، تعلیم اور تعمیر و ترقی کے انتظامات نہ تھے۔ اور اُن کی آپس میں رسائی بھی نہ تھی ماسوائے دربار لار شریف کے جوان لوگوں کے لئے دینی، روحانی، سماجی، اصلاحی اور سیاسی مرکز بن چکا تھا۔ پوری ریاست کی برادریوں کے لوگ عُرس شریف کے موقع پر یہاں اکٹھے ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر روز زائیرین کی آمد رہتی تھی جس سے اُنہیں دینی اور روحانی تعلیم کے علاوہ ریاست میں ہونے والی سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کے بارے میں بھی آگاہی ملتی تھی۔[2]

جرگوں اور کچہریوں میں فیصلے کرنے چراگاہوں کے تنازعات نپٹانے دینی اور روحانی سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔ جہاں آپ کے عقیدت مند لوگ مکین تھے۔ وہاں رات کو مجالس منعقد ہوتیں باشعور لوگوں کی اہم ہستیاں اکٹھی ہوتیں۔ تو موصوف دینی تبلیغ، صوفیانہ کلام اور روحانی باتوں

1۔ آتش چنار، شیخ محمد عبداللہ، 2۔ میاں بشیر احمد

کے لئے جدوجہد کرنے کی ترغیب دیتے۔ اور اپنی لڑائی خود لڑنے کے لئے تیار کرتے۔ تاکہ یہ لوگ بھی دوسری قوموں کے شانہ بشانہ آگے بڑھ سکیں چونکہ آپ کا سیاسی انداز بیان خالصتاً مذہبی اور صوفیانہ ہوتا تھا۔ اس لئے اُن کی سیاسی باتوں کا سیدھا اثر عوام کے دلوں پر ہونے لگا اور وہ اُن کی باتوں پر عمل پیرا ہونے لگے۔ گوجر جاٹ کانفرنس کی غرض وغایت کی تشہیر گاؤں گاؤں اور دور افتادہ علاقوں تک ہونے لگی اس طرح شیخ محمد عبداللہ صاحب کی تحریک حُریت کشمیر کے ساتھ ساتھ آپ کی سیاسی بیداری کی تحریک بھی پنپنے لگی۔

۱۹۳۷ء میں گوجر جاٹ کانفرنس کا پونچھ میں اجلاس

جب امیر القوم حضرت میاں نظام الدینؒ نے ریاست بھر میں بکھری ہوئی گجر قوم و دیگر برادریوں کے دبے کچلے لوگوں کی بستیوں کے دورے مکمل کر کے ان کو سیاسی طور پر جمعیت بنانے کے لئے تیار کر لیا تو مقامی رہنماؤں نے اپنی عوامی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے پونچھ میں تین روزہ گوجر جاٹ کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا اور طے پایا کہ "یہ کانفرنس امیر القوم کی صدارت میں منعقد ہوگی۔" اور کانفرنس کے لئے ۸-۹-اور ۱۰ مئی ۱۹۳۷ء تاریخیں مقرر ہوئیں چونکہ ۱۳-مئی ۱۹۳۷ء کو پونچھ میں ہی مسلم کانفرنس کا اجلاس ہونے جا رہا تھا۔ اس لئے مقامی رہنماؤں نے گجر جاٹ کانفرنس کو بھرپور ہمہ گیر اور عوامی شمولیت والی کانفرنس کرنے کے لئے کوششیں تیز کر دیں۔ ریاست اور بیرون ریاست کے گجر رہنماؤں و دیگر دانشوروں کو مدعو کرنے کے لئے دعوت نامے بھی امیر القوم کے نام سے ارسال کئے گئے جس کے نتیجے میں مظفر آباد، گھوڑی، باغ، پونچھ، کوٹلی، راجوری، میر پور، اوڑی اور کشمیر کے دوسرے حصوں سے ہزاروں کی تعداد میں مدعوین حضرات نے اس اجلاس میں شرکت کی جو امیر القوم حضرت میاں نظام الدین لاروی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

یہ اجلاس رانی باغ پونچھ میں منعقد ہوا جس میں ریاست بھر کے گجروں اور دیگر لوگوں کے علاوہ بیرون ریاست سے علما اور دانشوروں کی ایک بڑی تعداد نے شمولیت فرمائی جن میں پنجاب سے آئے ہوئے شاہان

گوجر کے مصنف اور مورخ خان بہادر مولانا عبدالمالک چوہان نواب آف گجرات سر فضل علی خان صاحب اور دیگر کئی نامور شخصیات نے حصّہ لیا جبکہ ریاست جموں و کشمیر کے تمام گجر علما، رہنما اور دانشور طبقہ کے لوگوں اور دیگر برادریوں کے اصحاب نے اس کانفرنس میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان میں چودھری غلام حسین لسانوی چودھری نیاز احمد چیف جج پونچھ، مولوی عمر بخش، مولانا لعل دین بھٹی مولانا عبدالرحمان ٹاٹوی اور وزیر محمد ہکلہ پونچھی شامل تھے۔ اس اجلاس کے صدارتی خطبے میں امیر القوم میاں نظام الدینؒ نے اپنے لوگوں کو درپیش مسائل کا ذکر کیا۔ اُن کی غربت، جہالت اور پسماندگی کا تدارک کرنے کے لئے حکومت سے مطالبہ کیا اور ریاست کے سیاسی تناظر میں اپنے لوگوں کی شمولیت اور حصہ داری کے لئے آواز بلند کی اور ساتھ ہی ساتھ اُن کو شیرازہ بند فرقوں اور برادریوں کی حد بندیوں سے بالاتر ہو کر اور ذاتی اختلاف دور کر کے اپنے حقوں اور حق انصاف کی لڑائی لڑنے کی تلقین کی۔[1]

اس کانفرنس میں لوگوں نے بھرپور شرکت کر کے حضرت کی روحانی اور سیاسی قیادت میں اپنے اعتماد اور بھروسے کا مظاہرہ کیا۔ اجلاس کے اختتام پر گوجر جاٹ کانفرنس کا لائحہ عمل جاری کیا گیا۔ اور اس تنظیم کے رہنما اصول ترتیب دیئے گئے۔ جہاں رہنماؤں کو تنظیم کے عہدوں سے نوازہ گیا وہیں اُن کے فرائض کی نشاندہی بھی کی گئی۔ اس اجلاس کی وساطت سے اپنے لوگوں کو ذہن نشین کرایا گیا کہ وہ ایک شاندار اور جاندار تاریخی ورثے اور پس منظر کے وارث ہیں۔ اس لئے وہ اپنی منفرد شناخت اور پہچان کو بنائے رکھیں۔[2]

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد... [2] تاریخ حریت کشمیر مصنف رشید تاثیر

پونچھ میں مُسلم کانفرنس کے اجلاس میں آپ کی شرکت

میاں بشیر احمد صاحب جو اجلاس پونچھ میں موجود تھے ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اس اجلاس میں راولاکوٹ باغ، سدھنتی، مظفر آباد، پونچھ، راجوری اور وادی کشمیر سے ہزاروں افراد نے شرکت کی جن میں گجر بکروال طبقوں کے علاوہ دیگر برادریوں کے لوگوں نے بھی شرکت کی اِس کانفرنس نے عوام میں بیداری کی نئی روح پھونک دی تھی۔ اور بچھڑے ہوئے قبایل کو اس تحریک میں اپنی فلاح و بہبودی اور ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے روشنی کی کرن نظر آئی پہلی بار گجروں اور دبی کچلی برادریوں کے عوام کو پتہ چلا کہ وہ ایک قوم ہیں۔ جس کے اپنے حقوق ہیں جن کے لئے وہ مل کر آواز بلند کر کے منوا سکتے ہیں۔ سارے پونچھ شہر میں ایسی کوئی جگہ نہ تھی۔ جہاں لوگوں کے انبوہ نظر نہ آئے۔ تین دن علما سیاست دانوں، دانشوروں، اور مفکروں نے اس اجلاس کو خطاب کیا اپنی پسماندگی اور اپنے علاقوں میں اُن کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کیا۔ اجلاس پونچھ میں جہاں دینی طور پر سلسلہ اور مسلک کے ساتھ عوام کو جوڑنے، قرآن و سنت پر سختی سے پابند رہنے سماج کی بدعتوں اور توہمات کو دور کرنے نشے اور گندگی سے پرہیز کرنے کی اصلاحی باتیں ہوتیں وہیں عوام کی پسماندگی ناخواندگی جاگیردارانہ نظام کی زبردستیوں شاہکاروں کی ستم ظریفیوں سرکاری اہلکاروں کی لوٹ کھسوٹ، ناجائز ٹیکسوں کے بارے میں زوردار آواز بلند کی گئی عوام کو جدوجہد کرنے اور تحریک چلانے کے لئے تیار کیا گیا۔

پونچھ شہر میں کامیاب گوجر جاٹ کانفرنس منعقد ہونے کے تین دن بعد ۱۴ مئی ۱۹۳۷ء کو پونچھ شہر میں ہی مُسلم کانفرنس کا پانچواں سالانہ اجلاس منعقد ہونے جا رہا تھا جس کی صدارت شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے کرنی تھی اس اجلاس میں شرکت کے لئے امیر القوم کو بھی دعوت دی گئی تھی اور اسے کامیاب بنانے کی استدعا کی گئی تھی۔ ایک طرف بخشی غلام محمد، سردار فتح محمد کریلوی اور پیر احسام الدین اجلاس کی تیاریوں میں مصروف تھے تو دوسری

جانب حضرت صاحب نے گوجر جاٹ کانفرنس میں دورانِ تقریر فرمایا کہ" وہ مسلم کانفرنس کے اجلاس میں شرکت کریں اور اُس کو بھی کامیاب بنائیں' اس سے موصوف کی سیاسی فراخ دلی کا پتہ چلتا ہے۔

مسلم کانفرنس کا اجلاس ۱۴ ر مئی ۱۹۳۷ء کو رانی باغ پونچھ میں ہونا مقصود تھا۔ لیکن عین وقت پر پونچھ کے راجہ جگت دیو سنگھ (۱۹۳۹ء ۱۹۴۷ء) نے حکم جاری کیا کہ نقصِ امن کے باعث یہ اجلاس رانی باغ (فوارہ باغ پونچھ) میں نہیں ہو سکتا ان حالات میں مسلم کانفرنس کے اجلاس کی جگہ رانی باغ پونچھ سے منتقل کر کے عیدگاہ پونچھ کر دی گئی عیدگاہ[25] پونچھ کے وسیع میدان کو بڑی خوبروئی سے آراستہ کیا گیا شیخ صاحب دیگر رہنماؤں کے ہمراہ براستہ اوڑی پونچھ پہنچے۔ اجلاس کی صدارت کی اس اجلاس میں امیر القوم حاجی بابا صاحبؒ اپنے ہزاروں عقیدتمندوں کے ساتھ شامل ہوئے آپؒ کے چاہنے والوں نے اجلاس کو کامیاب بنانے کے لئے غلہ، رسد، لکڑی برتن بستر اور گوشت فراہم کیا۔

اس اجلاس میں امیر القوم نے بھی تقریر کی اور ارشاد فرمایا کہ" ہمارے اور مسلم کانفرنس کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ہم تو فقط اپنے تشخص کے بقا اور جاگیردرانہ نظام، شاہوکاری شکنجے اور شخصی حکومت سے نجات حاصل کرنے کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔" پھر چودھری غلام عباس اور موصوف نے لوگوں سے اپیل کی کہ" کشمیری اور دوسرے فرقوں کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف اپنے اندر کے غبار کو دور کریں اور سب قوتوں کو انصاف دلانے کی بات کریں آپس میں رواداری اور بھائی چارہ رکھیں۔" پھر حضرت صاحبؒ نے جلسے سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ" آپ سوئے ہوئے ہو جب تم بیدار ہوئے تو دوسروں کو پتہ چلے گا کہ آپ کیا ہو۔"

---

25 عیدگاہ پونچھ موجودہ ہوائی اڈے کے جنوبی حصے میں درگاہ خانقاہ معلی قادریہ گیلانہ اور پیر حسام دین کی حویلی کے سامنے والے کھلے علاقے میں ہوا کرتی تھی ۱۹۴۷ء کے واقعات کے دوران عیدگاہ اور دوسرے آثاروں کو مٹا کر ہوائی اڈا تعمیر کیا گیا تھا تا کہ محصور پونچھ شہر کو باغیوں کے حملوں سے بچایا جا سکے۔

امیر القوم کی کوششوں سے ۱۹۳۷ء میں شاہدرہ شریف اوقاف ٹرسٹ کا قیام

۱۹۳۶-۳۷ء میں سردیوں کے ایام میں امیر القوم حاجی باباصاحبؒ راجوری تشریف لائے تو آپ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کے روزہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ وہاں سائیں قادر بخش نے زیارت پر بدنظمی کا ذکر آپؒ سے کیا۔ اور تجویز رکھی کہ حضرت غلام شاہ بادشاہؒ کی درگاہ کی آمدنی کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی جائے تاکہ آمدنی جائز کاموں پر خرچ کی جا سکے حضرت امیر القوم کو یہ تجویز نہایت معقول لگی اور آپؒ نے اس کا ذکر راجوری کے رئیس مرزا محمد حسین سے کیا انھوں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا پھر حضرت امیر القوم نے شاہدرہ شریف پر برگزیدہ شخصیات کی ایک میٹنگ طلب کی جن میں حاجی باباصاحبؒ کے علاوہ مرزا محمد حسین، سائیں قادر بخش[26]، حاجی نوران شاہ صاحبؒ، مولوی صلاح محمد، مولوی حبیب اللہ شاہؒ، اور مرزا فقیر محمد شامل ہوئے اور اوقاف ٹرسٹ کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے پہلے صدر مرزا محمد حسین منتخب ہوئے پھر یہ ٹرسٹ ایک عرصے تک زیارت شاہدرہ شریف کے نظم ونسق کو دیکھتا رہا اور زیارت شاہدرہ شریف کی ترقی اور بہتری کے کام ہوتے رہے۔ امیر القوم میاں نظام الدینؒ کی سرپرستی میں قائم ہونے والا ریاست جموں وکشمیر میں یہ پہلا اوقاف ٹرسٹ تھا جس سے آپ کی بصیرت اور بلند خیالی کا انداز لگایا جا سکتا ہے۔

---

[26] سائیں قادر بخش مرزا محمد حسین کے بھی نزدیک تھے چودھری دیوان علی کے بھی قریب تھے اور امیر القوم حضرت میاں نظام الدینؒ سے آپ کے عقیدت اور احترام کے رشتے تھے۔ سائیں گنجی قلندرؒ سے بھی آپ کے روابط تھے۔

۱۹۳۸ء میں سائیں قادر بخش انتقال کر گئے۔ پہلی بار اُن کی پکی قبر امیر القوم حضرت میاں نظام الدینؒ نے بنوائی تھی پھر میاں بشیر احمد صاحب نے اُسے دوبارہ تعمیر کرایا تھا۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کی کرامت (۳۸،۱۹۳۷ء)

ریاست پونچھ کے سرافراز چودھری غلام حسین لسانوی نے دو شادیاں کیں تھیں۔ بڑی اہلیہ محترمہ سے ایک بیٹی تھی جبکہ چھوٹی سے چار بیٹیاں تولد ہوئیں اور بیٹا کوئی نہ تھا۔ لسانوی صاحب اولاد نرینہ کی طلب میں دربار شریف میں مراد بھر آنے کے لئے دُعا کیا کرتے تھے۔ کوٹلی کے حضرت باجی الف دینؒ نے آپ کو پیغام بھیجا ''اولاد نرینہ کی خواہش ہے تو میرے حلقے میں داخل ہو جاو۔'' چودھری غلام حسین لسانوی صاحب نے حضرت باجی الف دین صاحبؒ کو جواب بھیجا کہ مجھے اپنے پیرو مرشد حضرت باباجی صاحبؒ کی شفقتوں اور حضرت میاں نظام الدینؒ کی نوازشوں پر یقین کامل اور پختہ اعتقاد ہے اس لئے مجھے کسی دوسرے کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ اسی دوران ۱۹۳۷ء میں میاں نظام الدین صاحبؒ نے چودھری غلام حسین لسانوی کو خط ارسال کیا کہ آپ کے گھر میرے ایک پیارے مہمان کی آمد آمد ہے جس کا نام چودھری محمد اسلم ہوگا اُس کی دیکھ ریکھ اور خدمت کا انتظام کرنا خط پڑھنے کے بعد کچھ دنوں تک چودھری لسانوی صاحب نے اس مہمان کا انتظار کیا پھر گھر میں آنے والوں سے اُن کے نام پوچھنے لگے کہ ''ان میں کوئی چودھری محمد اسلم تو نہیں'' لیکن اس نام کا کوئی مہمان نہ آیا۔

۱۹۸۱ء ستمبر کے مہینے میں چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کے گھر بیٹے کی ولادت ہوئی سارے خاندان میں خوشیاں منائی گئیں۔ نذر نیاز دی گئی اور دربار لا رقاصد بھیج کر اطلاع دی گئی۔ کہ ''بیٹے کی پیدائش ہوئی ہے اور اس کا نام کیا رکھا جائے۔'' اس کے جواب میں حضرت قبلہ نے لکھا کہ ''اس مہمان کی آمد کے بارے میں آپ کو ایک سال پہلے خط لکھ کر بتا دیا گیا تھا۔ اور یہ بھی بتایا تھا کہ اُس کا نام چودھری محمد اسلم ہوگا۔ اب جبکہ آپ کی مراد بھر آئی ہے تو بیٹے کا نام محمد اسلم ہی ہونا چاہئے۔'' یہ تحریر پڑھ کر چودھری غلام حسین لسانوی نے موصوف کے ہاتھ کا لکھا ہوا گزشتہ ایک برس پہلے کا خط نکالا جس میں نئے مہمان کی آمد کی بشارت دی گئی تھی تو حیران رہ گئے اور اُنھوں نے اس کرامت کی روشنی میں فرزند ارجمند کا نام چودھری محمد اسلم ہی رکھا۔[۲]

---

[۱] راوی حضرت میاں بشیر احمد ۔ [۲] چودھری محمد اسلم صاحب

۱۹۳۷ء میں پرجا سبھا کا انتخاب[1]

دسمبر ۱۹۳۷ء میں جموں وکشمیر پرجا سبھا کی میعاد پوری ہوئی اور نئے انتخابات کا اعلان کیا گیا۔اُس وقت پرجا سبھا میں مسلمانوں کے لئے اکیس نشستیں مخصوص تھیں۔ بڑی جماعت ''مسلم کانفرنس'' تھی مگر اپنے لوگوں کے اصرار پر حضرت امیر القوم میاں نظام الدین لاروی ؒ صدر گوجر جاٹ کانفرنس نے بھی کچھ نشستوں پر انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا اس کے باوجود حضرت موصوف مسلم کانفرنس سے مفاہمت کے حق میں تھے۔آپ راجوری تشریف لائے اور گفت وشنید کے لئے شاہدرہ شریف مشاورت کے لئے تمام مسلم رہنماؤں کو مدعو کیا گیا۔تا کہ قوموں میں تضاد اور آپس میں مقابلوں سے بچا جائے کیوں کہ دونوں جماعتوں میں آپ کے عقیدت مند شامل تھے۔

شاہدرہ شریف منعقد مشاورت میں مرزا محمد حسین مرزا عطا اللہ اور سائیں قادر بخش و دیگر علما اور دانشور شریک ہوئے معلوم ہوا کہ مسلم کانفرنس مرزا محمد حسین کو منڈیٹ دے رہی ہے لیکن وہ عوام کی اکثریت کو منظور نہ تھے اس لئے اعتدال پسند شخصیت کے بارے میں غور وخوض ہوا اور فیصلہ ہوا کہ گوجر جاٹ کانفرنس مرزا عطا اللہ کی حمائت کرے گی جو مرزا محمد حسین کے چچازاد بھائی تھے۔اس فیصلہ سے آپؒ کی فرقوں میں رواداری کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔مرزا محمد حسین مُسلم کانفرنس کے ٹکٹ پر میدان میں اُترے صاحب موصوف نے مرزا عطا اللہ کے حق میں زبردست مہم چلائی اور اپنے لوگوں کو انتخابی عمل میں حصہ لینے کے لئے تیار کیا رائے دہندگان جن میں ہر طبقہ سے وابستہ لوگ شامل تھے۔حضرت صاحبؒ کی اپیل پر اکٹھے ہو گئے اُس وقت ہر امیدوار کو پوشیدہ رائے دہندگی کے رنگ عطا کیے جاتے تھے جن میں ووٹ ڈالتے تھے۔مرزا محمد حسین کو سفید اور مرزا عطا اللہ کو سیاہ رنگ کا صندوق دیا گیا لوگ گاؤں میں ''چٹی خصماں پٹی'' ''کالی کرماں والی'' ''اس میں ڈالو ووٹ'' کے نعرے لگایا کرتے تھے۔ دونوں امیدواروں کے درمیان زبردست مقابلہ ہوا لیکن تمام کوششوں کے باوجود مرزا محمد حسین چناؤ ہار گئے[2]

---

[1] میاں بشیر احمد صاحب .... [2] تاریخ حُریت کشمیر مصنف رشید تاشر

اور مرزا عطا اللہ حضرت موصوف کی مدد سے چناؤ جیت کر پرجا سبھا کے لئے منتخب ہو گئے۔
مینڈھر اسمبلی حلقہ سے سردار فتح محمد کریلوی کو مسلم کانفرنس کا ٹکٹ حاصل ہوا اور چودھری غلام حسین لسانوی گوجر جاٹ کانفرنس کے ٹکٹ پر چناؤ لڑنا چاہتے تھے۔ دونوں اصحاب دربار باباجی صاحب سے وابستہ تھے چودھری صاحب باباجی صاحبؒ کے دستِ شفقت پر بیعت تھے جب کہ سردار فتح محمد کریلوی میاں نظام الدینؒ سے بیعت تھے اور اُن کا زبردست احترام کرتے تھے موصوف نے دونوں کو کہا کہ "وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں نہ آئیں ایک ہو جائیں اگر آپ میری بات نہیں مانتے اور آپس میں اتفاق نہیں کرتے تو میں دونوں فریقوں میں سے کسی کا ساتھ نہیں دوں گا۔" چنانچہ دونوں امیدواروں نے اپنے اپنے بل بوتے پر چناؤ لڑا لسانوی صاحب جیت نہ سکے۔

جموں میں گوجر جاٹ کانفرنس کا انعقاد[1]

۱۹۳۹ء میں حضرت میاں نظام الدینؒ نے گوجر جاٹ کانفرنس کا اجلاس جموں میں طلب کیا۔ یہ کانفرنس بہت بڑے پیمانے پر منعقد ہوئی جس میں ریاست بھر سے آئے ہوئے مندوبین حضرات علما اور دانشوروں نے شرکت کی جس میں اپنی عوام کی سیاسی، سماجی، دینی اور اصلاحی بہتری کے بارے میں تفصیل کے ساتھ غور غوض ہوا جموں شہر کے اندر اتنے بڑے اجتماع میں پسماندہ طبقوں اور برادریوں کے رہنماؤں کی آتش بیانی سے سارا جموں شہر کانپ گیا امیر اور شاہو کار طبقے کو اپنے محلوں کے دروازے ہلتے ہوئے نظر آئے ریاست کے صاحب اقتدار لوگ اس بات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ یہ لوگ متحد ہو چکے تھے۔ اور ان کے جائز حقوق کو ماننے کے بجائے کوئی چارہ نہیں تھا یہ وقت ریاست جموں و کشمیر کے گجر اور ہمسایہ پہاڑی طبقہ کے لوگوں کے لئے سیاسی اعتبار سے بہترین دور تھا جموں میں اِس کانفرنس کی صدارت اگرچہ حاجی باباصاحبؒ کر رہے تھے لیکن اس کانفرنس کی ایک نشست میں چودھری غلام عباس نے بھی شرکت کی اور اُس نشست کی صدارت فرمائی۔ اپنی تقریر میں چودھری

[1] تحریک حریت کشمیر مصنف رشید تاثیر [2] حضرت میاں بشیر احمد [3] گوجر نوجوانوں سے خطاب تحریر مولانا مہر الدین قمر راجوری۔ چودھری اقبال عظیم

غلام عباس نے کہا، "میں آج بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں کہ ریاست کے اسلامی قبیلہ کی بہت بڑی جماعت جو دوسری قوموں کے مقابلے میں واقعی پسماندہ ہے اپنی اصلاح اور تنظیم کے لئے ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوئی ہے۔ قوم کے جن اکابرین نے یہ اصلاحی قدم اُٹھایا ہے میں اِنہیں یقین دلاتا ہوں کہ مُسلم کانفرنس اصلاحی معاونت میں پوری طرح ان کا ساتھ دے گی اِنہیں واقعی اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا چاہیئے کیونکہ سماجی حالات کی اصلاح تنظیم کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۶ء تک ابوالاثر حفیظ جالندھری کا وانگت میں قیام[1]

مہاراجہ ہری سنگھ کے دور میں لمبی سردیاں گزرنے کے بعد مئی میں جب شاہی دربار جموں سے سری نگر منتقل ہوتا تھا۔ تو کشمیر کا قدرتی حسن بھی جوبن پر ہوا کرتا تھا۔ سیاحوں کی ریل پیل اور رونقیں ہوتی تھیں کشمیر میں تجارت کے فروغ سیاحوں کی کشش اور دل جوئی کے لئے مہاراجہ صنعتی نمائش کا اہتمام کیا کرتا تھا۔ جن میں کاری گر دستکار اور صنعت کار اپنی مصنوعات کی نمائش کرتے اور فروخت بھی کیا کرتے تھے۔ اس صنعتی نمائش میں فنکار اداکار تمدنی اور ثقافتی ورثے کا مظاہرہ کرتے اور "کل ہند اُردو مشاعرے" کا اہتمام بھی کیا جاتا تھا۔

۱۹۳۹ء میں جب سری نگر میں صنعتی نمائش کا اہتمام ہوا تو کل ہند اُردو مشاعرہ بھی منعقد کیا گیا ملک کے دوسرے نامور شعرا کے علاوہ ابوالاثر حفیظ جالندھری کو بھی مدعو کیا گیا۔ اس مشاعرے سے محظوظ ہونے کے لئے ریاست کے دانشور سخن فہم اور برگزیدہ شخصیات کو بھی دعوت دی گئی۔ جن میں حضرت میاں نظام الدینؒ بھی شامل تھے۔ آپ خود پنجابی زبان کے بہت بڑے صوفی اور عوامی شاعر تھے اُردو شاعری سے بڑی رغبت رکھتے تھے اس لئے آپؒ بھی مشاعرے میں تشریف لائے اس مشاعرے میں حفیظ جالندھری نے نہایت پُراثر اور بڑی پُرکیف نظم ترنم سے سُنائی سارا مشاعرہ لُوٹ لیا۔ موصوف بھی اس نظم سے مسرور ہوئے جب آپ کو یہ علم ہوا کہ حفیظ صاحب "شاہنامہ اسلام" کو منظوم لکھ رہے ہیں۔ تو آپ کا تجسس اور بڑھ گیا۔ مشاعرے کے بعد استقبالیہ تقریب میں آپ کی

[1] میاں بشیر احمد صاحب، تحریک حریت کشمیر تحریر شدہ تاثیر

ملاقات حفیظ جالندھری سے ہوئی پھر یہ ملاقات مروت میں بدل گئی جب حفیظ جالندھری نے بتایا کہ ''وہ بھی گجر خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔اور ذات کے چوہان ہیں'' موصوفؒ نے آپ کو لار شریف تشریف لانے کی دعوت دی جو حفیظ جالندھری نے خوشی سے قبول کر لی اور موصوف کے ہمراہ وانگت آ گئے۔وانگت کی دلفریب گھاٹی فلک بوس پہاڑ سر سبز جنگل، گنگناتے جھرنوں کے درمیان دربار لار شریف کا ماحول، صوفیانہ مجالس اور عقیدت مندوں کی رونق محفل نے حفیظ جالندھری کا دل موہ لیا۔حاجی بابا صاحبؒ خود بہت بڑے ولی تھے اور دینی سلسلے کو آگے بڑھا رہے تھے حفیظ جالندھری شاہنامہ اسلام لکھ کر اپنے طریقے سے دین اسلام کی خدمت انجام دے رہے تھے اس لئے دونوں کے درمیان مکالمے اور مذاکرات محبتوں میں بدل گئے کچھ دنوں کے قیام کے بعد جب حفیظ جالندھری واپس جانے لگے تو اُنھوں نے موصوف سے کہا کہ ''اگر وانگت کی گھاٹی میں کسی جگہ رہنے کا اہتمام ہو جائے تو میں ہر سال یہاں آیا کروں گا تا کہ تنہائی میں بیٹھ کر منظوم ''شاہنامہ اسلام'' کو حتمی شکل دے سکوں'' چنانچہ حضرت نے حفیظ جالندھری کی طبیعت کے مطابق اللہ ور کی برفانی چوٹی کے دامن میں دریاؤں اور جنگلوں کے قریب ایک خوبصورت مقام ونی آرام میں بنے ہوئے سیاحتی بنگلے میں اُن کے رہنے کا اہتمام کرا دیا جو دربار شریف سے تین کلومیٹر شمال کی طرف واقع ہے۔

میاں بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ ''اُس کے بعد ۱۹۴۷ء تک حفیظ جالندھری اپنے افرادِ خانہ کے ساتھ ہر برس موسم بہار میں وانگت آیا کرتے تھے اور ونی آرام ڈاک بنگلہ میں قیام کیا کرتے تھے لیکن دن کو ہمیشہ دربار شریف پر حاضر رہنا آپ کا معمول تھا۔چونکہ یہاں ادبی مجالس منعقد ہوا کرتی تھیں اِن مجالس میں حفیظ جالندھری ''شاہنامہ اسلام'' کے شعر ترنم سے سُنایا کرتے تھے آپ کے ساتھ کئی بار آپ کی صاحبزادی ضیا بھی ہوتی تھیں جس کے ساتھ حفیظ جالندھری بے حد پیار کیا کرتے تھے۔کبھی کبھار حفیظ صاحب اپنی دوسری شریکِ حیات انگریز خاتون کو بھی وانگت لایا کرتے تھے۔یہاں آپ کے رہنے سہنے کا سارا اِنتظام حاجی بابا صاحبؒ خود کیا کرتے تھے۔یہاں آنے کی وجہ سے حفیظ جالندھری کے مراسم شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ بھی قائم ہو گئے۔اسی دوران وہ کشمیر کے عوام کی بدحالی اُن کی محکومی و محرومی اُن کی غلامانہ زندگی غربت، افلاس اور جہالت سے متعارف ہوئے۔جاگیردانہ نظام کے دبدبے سے روشناس ہوئے صوفیانہ جذبوں سے متاثر عوام کی محبت سے سرشار ہوئے اور شخصی راج کے شکنجے میں

پھٹے ہوئے لوگوں کی حالت دیکھ کر آپ کے اندر کا شاعر رو اُٹھا اور حفیظؔ جالندھری نے کشمیری عوام کو موضوں بنا کر نظمیں لکھنے کا سلسلہ شروع کیا جن میں اُن کی نظم کے دو اشعار:۔

شیر سے محروم ہے مالک ہے جو ے شیر کا
'' ایک پہلو یہ بھی ہے کشمیر کی تصویر کا''

بہت مشہور ہوئی اس نظم کو شیخ محمد عبداللہ نے بے حد سراہا اور ۱۳/ اگست ۱۹۴۵ء میں سوپور میں منعقد ہونے والے نیشنل کانفرنس کے اجلاس میں شیخ صاحب نے حفیظ جالندھری کو شرکت کی دعوت دی جس میں خان عبدالغفار خان اور پنڈت جواہر لعل نہرو بھی شامل ہوئے اس اجلاس میں حفیظ صاحب نے یہ نظم سُنائی اور اُن کی بے حد پذیرائی ہوئی اُس کے بعد آپ تحریک حریت کشمیر سے بھی جُڑ گئے۔ حفیظ جالندھری کو حضرت نظام الدینؒ صاحب کا صوفیانہ کلام بہت پسند تھا۔

حفیظ جالندھری کا وانگت میں آ کر قیام کرنے کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک چلتا ہے اس دوران آپ یہاں کی سیاست سے بھی جُڑ گئے۔ ۱۹۴۶ء میں شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے'' کویٹ کشمیر'' تحریک شروع کی تو حفیظ صاحب نے اس میں خاصی دلچسپی دکھائی۔ ۱۹۴۷ء میں '' کویٹ کشمیر'' یعنی '' کشمیر چھوڑ دو'' تحریک اپنے عروج پر تھی۔ '' کشمیر چھوڑ'' دو تحریک سے وہ زبردست متاثر ہوئے اور اُن کے دل میں پیدا ہونے والے تاثرات کو انہوں نے نظم کی صورت میں ڈھالا اور یہ نظم وار کونسل نے عوامی حلقوں تک پہنچائی۔ اس نظم کے مشتہر ہوتے ہی ریاستی حکومت نے ابوالاثر حفیظ کو نظر بند کر دیا پھر چوبیس گھنٹوں کی مہلت دی اور کشمیر چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا ابوالاثر حفیظ لاہور چلے گئے اس دوران ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور حفیظ جالندھری صاحب لاہور کے ہی ہو کے رہ گئے تقسیم وطن کے بعد وہ پھر کبھی کشمیر نہ آ سکے۔

حضرت میاں نظام الدین لارویؒ کے ایک فرزندِ ارجمند میاں محمد اسماعیل نظامی آزادی کے بعد ایک بار پاکستان تشریف لے گئے تھے اور وہاں اُنھوں نے ابوالاثر حفیظ جالندھری صاحب سے بھی مری پاکستان میں ملاقات کی تھی۔ وہ آپنے ایک مضمون '' حفیظ جالندھری اور میاں نظام الدینؒ میں رقمطراز ہیں'' کہ ان سے ملاقات کے دوران ابوالاثر حفیظ جالندھری نے فرمایا کہ '' حضرت کی دوری نے میری زندگی کی تمام عیش و آرام کو آج تک

حرام کیا ہوا ہے۔ امیر شریعت میاں نظام الدینؒ کی زندگی میں میں نے اسلام کی وہ ادا دیکھی جس کو تصور میں لا کر ''شاہنامہ اسلام'' لکھتے وقت اسلام کی جلیل القدر ہستیوں کو میری آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ جس طرح میں اپنی زندگی میں اسلامی تاریخ کے واقعات کو نہیں بھول سکتا۔ اُسی طرح حضرت صاحبؒ کو بھی نہیں بھول سکتا۔ خاص طور پر شاہنامہ اسلام کی اشاعت کے بعد برِ صغیر کے کونے کونے میں میری پذیرائی ہوئی مگر میں نے کسی جگہ بھی حضرت میاں نظام الدینؒ جیسی ہمہ جہت شخصیت نہیں دیکھی یہ سچ اور حقیقت بات ہے........ ''پھر آگے چل کر فرماتے ہیں.............. ''میں چوہان گجر ہوں اور میاں نظام الدینؒ بجران گجر ہیں۔ میں نے شاہنامہ اسلام لکھ کر شہرت پائی تو حضرتؒ نے پنجابی ہند کو شاعری میں عظیم الشان مقام حاصل کیا میں خود پنجابی بولتا ہوں اور فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُن جیسا کوئی شاعر نہیں دیکھا جس نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی ہو۔[27]

27۔ تحریک حُریت کشمیر رشید تاثیر۔ کشمیر چھوڑ دو تحریک کے حوالے سے وانگت میں رہ کر اُنھوں نے بہت سی نظمیں لکھیں جن میں ''خون کے چراغ'' قابلِ ذکر نظم ہے جس کے کچھ شعر اس طرح ہیں۔

سُرخ پھولوں سے زمیں کشمیر کی ہے سرخ رو — لالہ بن کے پھوٹ نکلا ہے شہیدوں کا لہو
حملہ آور ہیں مہاراجہ کی فوجیں چارسُو — شعلہ زن ہیں آگ اور لوہے کی موجیں چارسو
فطرت انسان کو ہے طوق غلامی ناپسند — نعرے آزادی کے لے لے کر اُٹھے ہیں سر بلند
سرفروشان چراغوں کی ہتھیلی لئے ہوئے — آگے اور آگے بڑھو نام خدا لیتے ہوئے



حضرت میاں نظام الدینؒ اور بریگیڈیر خُدا بخش گھوڑوں پر سوار جلوس کی قیادت کرتے ہوئے

میاں نظام الدینؒ کی کوششوں سے ۱۹۳۹ء میں اخبار ''الانسان'' کا اجرا[1]

۱۹۳۷ء میں پونچھ میں منعقد ہونے والی ''گوجر جاٹ'' کانفرنس جس کی صدارت حضرت میاں نظام الدین نے فرمائی تھی۔ اِس کانفرنس میں اپنے لوگوں کی کثیر تعداد میں شمولیت اُن کے جوش اور اُمنگ کو دیکھتے ہوئے اس جماعت کو پوری طرح سیاسی منظرنامے پر لانے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ جہاں مستقبل کے لئے لائحہ عمل تیار کیا گیا وہیں ریاست کے بدلتے ہوئے سیاسی منظرنامے میں عوام کے مسائل کو اُبھارنے اور ان کی آواز بلند کرنے کیلئے ایک اخبار کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔ چنانچہ اخبار کی اشاعت کرنے کے لئے آپؒ کو اختیار دیا گیا تاکہ تیاریاں ہو سکیں۔ اس طرح آپؒ کو ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو اس اخبار کی اشاعت کر سکے۔

اُس زمانے میں جموں محمد دین برنالوی قیام پذیر تھے۔ اِس شخص کو قدرت نے ادبی اور دینی صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا۔ انہیں انشا پردازی، صحافت اور خطابت پر عبور حاصل تھا اور کم عمری میں ہی اخبار نویسی سے پوری طرح متعارف ہو چکے تھے۔ اُن کا شمار جموں کے نامور صحافی اور دانشور افراد میں ہو رہا تھا۔ اِس لئے آپ نے محمد دین برنالوی کو بُلایا اور انہیں اخبار نکالنے کے لئے راغب کیا اخبار کی مالی معاونت کا اہتمام بھی کیا۔

۱۹۳۹ء میں جموں گجر جاٹ کانفرنس کا انعقاد ہوا اِسی کانفرنس میں حاجی بابا صاحبؒ نے اخبار ''الانسان'' کا اجرا کیا یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔[2]

جلد ہی اخبار ''الانسان دبے کُچلے لوگوں کی آواز بن گیا۔ محمد دین برنالوی کی قلم میں اتنی طاقت تھی کی اس اخبار کو پڑھ کر مخالف قوتوں میں ہلچل مچ گئی۔ یہ اخبار جموں سے اُردو زبان میں شائع ہوتا تھا اور تمام اُن علاقوں میں بھیجا جاتا تھا۔ جہاں اپنے لوگ آباد تھے۔ اس اخبار کے جاری ہونے کے ساتھ ہی دانشوروں نے اپنے لوگوں کے مسائل کے بارے میں لکھنا شروع کیا جس سے حکومت نے اپنی توجہ اِن لوگوں کے درپیش مسائل کو حل کرنے

(۱) میاں بشیر احمد صاحب (۲) چودھری اقبال عظیم

کی طرف مبذول کی۔ حاجی بابا صاحبؒ کی سرپرستی میں شائع ہونے والے اخبار الانسان کی کاوشوں سے پچھڑے قبائل اور دیگر برادریوں کی اقتصادی پسماندگی اور ناخواندگی کو دُور کرنے کے لئے جدوجہد کو تقویت ملی اور معاشرے میں پھیلی ہوئی بدعتوں کے خلاف مضامین بھی شائع ہوا کرتے تھے۔

۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۷ء تک لگا تار یہ اخبار شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۴۷ء کے واقعات کے بعد جب جموں میں حالات خراب ہوئے۔ تو محمد الدین برنالوی نے بھی جموں شہر کو خیر باد کہنا مناسب سمجھا نہ جانے کہاں گئے اِن کی ترک سکونت سے اخبار ''الانسان بھی شائع ہونا بند ہو گیا۔[۲۸]

---

[۲۸] ڈاکٹر شاہنواز اپنے مضمون چودھری غلام حسین لسانوی کتاب جو" گجر اور گوجری" میں شائع ہوا میں لکھتے ہیں کہ اخبار الانسان کی اشاعت میں چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کا بھی بڑا ہاتھ رہا تھا۔

[۱] میاں بشیر احمد صاحب بتاتے ہیں" اخبار الانسان" کی جلی سُرخی حضرت حاجی بابا صاحب کے اس شعر سے شروع ہوتی تھی

ب

الانسان اخبار دے سرے اُتے جلی قلم ہے لفظ لکھائی ہوئی ہے

الانسان اخبار ہے گجر قومی لوکاں کو مگو مچائی ہوئی ہے

۱۹۴۲ء میں حضرت میاں نظام الدینؒ سے منسوب کرامات

۱۹۴۷ء سے پہلے مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج میں پسماندہ طبقوں کو حکومت میں کم نمائندگی ملتی تھی فوج میں یا تو جموں کے ڈوگروں کو بھرتی کیا جاتا تھا یا امیر برادریوں کے مسلمان بھرتی ہوتے لیکن بریگیڈیر خُدا بخش ایسی گجر شخصیت تھے جن کو اپنی قابلیت قوت ارادی اور اپنے مُرشد حضرت باباجی صاحبؒ اور حضرت میاں نظام الدینؒ کی روحانی نوازشوں کی بدولت شخصی راج میں مہاراجہ ہری سنگھ کے بعد سب سے اونچے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔[127] بریگیڈیر خُدا بخش کے فرزند سابق آئی۔جی پولیس اللہ بخش بتاتے ہیں کہ ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے اُس وقت

---

[127] میاں بشیر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ بریگیڈیر خُدا بخش مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج میں صوبے دار ہوا کرتے تھے اور بلند مالوسری گڑھ میں تعینات تھے۔اس دور میں باباجی صاحب سری نگر وانا بزار جعفر تل اپنے مکان میں رہائش رکھتے تھے۔باباجی صاحبؒ کی شہرت سے متاثر ہو کر خُدا بخش ان کے حضور پیش ہوا کرتے تھے۔ایک دن خُدا بخش صاحب نے باباجی صاحب کو اپنے گھر دعوت دی موصوف خُدا بخش صاحب کے گھر آئے اور کھانا تناول فرمانے کے بعد کمرے میں آرام کرنے لگے۔اس روز فوج میں دو آفسروں کی ترقی ہونا مقصود تھی جن میں خُدا بخش بھی شامل تھے۔اور امتحان لینے کے لئے انگریز آفسر نے آنا تھا اس سے پہلے مقامی ڈوگرہ آفیسران نے خُدا بخش صاحب کی جگہ کسی ڈوگرے کا نام تجویز کر دیا جبکہ خُدا بخش صاحب کو مجھ پارٹی کا آفیسر تجویز کیا گیا جس کے باعث وہ مایوس ہو گئے۔واپس اپنے کمرے میں آئے تو باباجی صاحبؒ نے مایوسی کی وجہ دریافت کی خُدا بخش صاحب نے عرض کیا "کمان کی جگہ کسی اور کو ترقی دی جارہی ہے۔" اس پر باباجی صاحبؒ نے فرمایا کہ "گھبرانے کی کیا بات ہے آخر وہی ہوگا جو تم چاہتے ہو۔" خُدا بخش صاحب سوچنے لگے کہ "اب تو دوسرے کے نام کی سفارش ہو چکی ہے اب کیا ہو سکتا ہے۔" اسی دوران خُدا بخش کو کمپنی میں طلب کیا گیا جب وہ وہاں پہنچے تو انگریز آفیسر موقع پر موجود تھا۔انگریز آفیسر نے خُدا بخش صاحب اور ڈوگرہ آفیسر کا جائزہ لیا دونوں کا ریکارڈ دیکھا اور حکم صادر فرمایا کہ "فوج کی کمان کے لائق خُدا بخش ہے جبکہ ڈوگرہ آفیسر مجھ پارٹی کا انچارج ہو سکتا ہے۔اس طرح باباجی صاحبؒ کا فرمان رنگ لایا اور خُدا بخش صاحب کو اسی دن ترقی مل گئی وہ واپس آئے اور باباجی صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے اور تمام زیست باباجی صاحبؒ کے اور حاجی بابا صاحبؒ کے ارادتمندوں میں شامل رہے۔

خُدا بخش صاحب مہاراجہ ہری سنگھ کی فوج میں کرنل کے عہدہ پر فائز تھے دوسری جنگ عظیم شروع تھی کرنل خُدا بخش کو (jkinfintry) بٹالین کے ساتھ لڑنے کے لئے ملک سے باہر بھیج دیا گیا اور مڈل ایسٹ میں آپ کی بٹالین تعینات ہوئی آپ کو بغداد جانے کا حکم ملا۔ آپ بٹالین کے ساتھ ریل پر سوار ہو گئے لیکن اِس سے پہلے کہ ریل بغداد کی جانب روانہ ہوئی زبردست طوفان آیا۔ اس قدر آندھی چلی کہ ریل رُک گئی کرنل خُدا بخش نے اِس آندھی میں باباجی صاحبؒ کو اُڑتے ہوئے دیکھا جو آپ کے سر کے اوپر سے گزر گئے۔ آندھی اتنی زبردست چلی کہ ریل بغداد نہ جا سکی۔ اِس لئے مجبوراً بغداد میں آپ کی بٹالین کی جگہ دوسری بٹالین کو بھیج دیا گیا۔ لیکن دوسرے ہی دن اُس بٹالین پر جرمن کے بمبار ہوائی جہازوں نے اتنے زبردست گولے برسائے کہ اُس بٹالین میں سے ایک بھی سپاہی نہ بچا کرنل خُدا بخش والی بٹالین بالکل صحیح سلامت رہی اِس کرامت کا کرنل خُدا بخش کی زندگی پر بہت اثر ہوا بعد میں اکثر اپنے بچوں کو اس بارے میں بتایا کرتے تھے۔ اللہ بخش صاحب نے یہ بھی بتایا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران ہی کرنل خُدا بخش کی بٹالین سنگا پور میں بھی رہی تھی وہاں مورچہ زن تھے ایک دن اپنے خیمہ کے اندر بیٹھے ہوئے چائے پی رہے تھے کہ اتنے میں جرمن بمباروں نے آپ پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ آپ کے چاروں طرف گولے گر رہے تھے آپ کو علم ہو گیا کہ کسی بھی وقت ہلاک ہو سکتے ہیں۔ اسی اثنا میں کرنل خُدا بخش کو میاں نظام الدینؒ نظر آئے جو ننگے سر اور برہنہ پاؤں تھے اور آپ سے کہہ رہے تھے کہ "فکر نہ کرو آپ کا بال بھی بھیگا نہ ہو گا۔" یہ کہہ کر حضرت صاحبؒ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زبردست بمباری کے باوجود کرنل خُدا بخش اپنی بٹالین کے سمیت محفوظ رہے پھر ۱۹۴۳ء میں آپ کو ترقی اور اعزاز سے نواز کر واپس بھیجا گیا۔ آپ سرینگر آئے کچھ ہی دنوں بعد خُدا بخش صاحب کو معلوم ہوا کہ میاں نظام الدینؒ (عرف حاجی بابا) سرینگر تشریف فرما ہیں اور پنجاب ہوٹل میں قیام کر رہے ہیں۔ خُدا بخش صاحب برہنہ پاؤں اور ننگے سر پنجاب ہوٹل کی طرف روانہ ہوئے اور آپ کے دیدار سے فیضیاب ہوئے۔ حاجی بابا صاحبؒ نے آپ سے برہنہ پاؤں اور ننگے سر آنے کی وجہ دریافت کی تو خُدا بخش صاحب نے عرض کیا "اگر آپ برہنہ پاؤں اور ننگے سر مجھے بچانے کے لئے جنگ کے میدان میں جا سکتے ہیں تو میں آپ کی خدمت میں برہنہ پاؤں اور ننگے سر کیوں نہیں آ سکتا۔"[1]

---

[1] میاں بشیر احمد صاحب [2] اللہ بخش سابق آئی جی پولیس

میاں بشیر احمد صاحب کی ۱۹۴۲ء میں شادی خانہ آبادی

۱۹۳۹ء[1] بمطابق ۱۹۹۶ بکری میں میاں بشیر احمد صاحب کی عمر ۱۵ ربرس کی تھی اور وہ شباب کی دہلیز پر تھے اس لئے والد محترم حاجی باباصاحب ؒ آپ کی شادی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچ رہے تھے۔ کہ موسم سرما کے آغاز میں موصوف اپنے اہل خانہ کے ساتھ براستہ اوڑی درہ حاجی پیر گھوڑوں پر سوار ہو کر پونچھ آئے۔ اور موہڑہ (بچھائی) جاتے ہوئے کچھ دنوں کے لئے لسانہ میں ریاست پونچھ کے رئیس چودھری غلام حسین لسانوی کے گھر قیام کیا کیونکہ آپ کے اور چودھری صاحب کے درمیان باباجی صاحب ؒ کے زمانہ سے ہی بڑے قریبی تعلقات اور روابط جاری تھے۔ چودھری غلام حسین لسانوی اور موصوف کے درمیان دِلی اور ذہنی رفاقت تھی پھر سیاسی سماجی و دینی معاملات میں دونوں کے خیالات ایک جیسے تھے اور ہر مسئلے پر وہ ایک دوسرے سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ کچھ دن چودھری غلام حسین لسانوی کے ہاں قیام کے بعد حضرت اپنے اہل خانہ کے ساتھ موہڑہ (بچھائی) تشریف لے گئے جہاں لنگر کی زمین تھی ایک دو ہفتوں کے بعد چودھری لسانوی حاجی باباصاحب ؒ سے ملنے موہڑہ آئے راج محمد کے گھر نماز ادا کی اور پھر موصوف سے ملاقات کے لئے موہڑہ بچھائی چلے گئے۔ بعد از ملاقات کے حاجی باباصاحب ؒ نے آنے کی وجہ دریافت کی تو چودھری غلام حسین لسانوی نے عرض کیا کہ ''بیٹی زینب نور کے لئے پونچھ سے رشتے آ رہے ہیں اس بیٹی کو میں نے بڑے ناز کے ساتھ پالا ہے اور تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں کہ رشتہ کہاں کروں'' موصوف نے دریافت کیا کہ کتنی بیٹیاں ہیں چودھری صاحب نے عرض کیا ''تین ہیں۔'' حاجی باباصاحب نے کہا چلو پہلے پونچھ چلتے ہیں باقی باتیں راستہ میں طے کریں گے۔ چودھری صاحب نے عرض کیا کہ ''پھر روٹی لسانہ میں کھائیں گے'' چنانچہ حاجی باباصاحب ؒ اور چودھری غلام حسین موہڑہ سے روانہ ہوئے۔ لسانہ کے سامنے نگری پہنچے گھوڑے نے پاؤں دریا کی طرف کیے اور

[1] چودھری اقبال عظیم

لسانے کی طرف مڑنے لگے تو حاجی بابا صاحبؒ نے گھوڑے کی لگام کھینچ کر اُسے روک لیا اور چودھری غلام حسین لسانوی سے پوچھا" چودھری صاحب آپ کس بات کا مشورہ کرنے کے لئے آئے تھے۔ چودھری صاحب نے جواب دیا حضرت میں زینب نور کے پونچھ میں رشتے کی بات کر رہا تھا موصوف نے دریافت کیا کہ چھوٹی لڑکی کا کیا نام ہے۔ چودھری صاحب نے عرض کیا۔" اُس کا نام غلام مریم ہے۔" یہ سن کر حاجی بابا صاحبؒ نے اطمینان کے ساتھ فرمایا" زینب نور کے بارے میں مشورہ ہم بعد میں کریں گے۔ پہلے مجھے بشیر کے واسطے غلام مریم کا رشتہ دیں۔" چودھری موصوف کی سیدھی اور بے ساختہ بات کو سُن کر شش و پنج میں پڑ گئے اور بات کو ٹال گئے۔ آپؒ بھی سوچنے لگے کہ چودھری صاحب نے مثبت جواب نہیں دیا اس لیے لسانہ اُن کے گھر جاوں کہ نہ جاوں لیکن باتوں باتوں میں دونوں حضرات لسانہ آ گئے۔

چودھری صاحب نے گھر پہنچ کر اپنی والدہ محترمہ سے ذکر کیا کہ دیکھو حضرت کتنے زبردست ہیں میں زینب نور کے بارے میں صلاح کرنے گیا تو اُنھوں نے مجھ سے چھوٹی بیٹی غلام مریم کا رشتہ اپنے فرزند میاں بشیر صاحب کے لئے مانگ لیا والدہ محترمہ مہری عمرہ بی صاحبہ نے کہا" آپ نے کیا جواب دیا" چودھری صاحب نے کہا" میں نے نفی میں جواب دیا ہے۔" یہ سن کر والدہ محترمہ چودھری صاحب کو ڈانٹنے لگیں۔ کہ" آپ کی عقل کو کیا ہو گیا ہے۔" غلام مریم ۱۹۲۶ء میں پانچ ماہ کی تھیں کہ منگھر کے مہینے میں حضرت باباجی صاحبؒ پونچھ آئے تھے اور لسانہ ہمارے گھر بھی تشریف لائے تھے تو میں غلام مریم کو گود میں اُٹھائے ہوئے باباجی صاحبؒ کے پاس جب لے گئی تو میں نے عرض کیا حضرت دُعا فرمائیں" غلام حسین کے ہاں یہ بچی پیدا ہوئی ہے اِس کی صحت ٹھیک نہیں رہتی خُدا اسکی عمر دراز کرے۔" پھر مہری صاحبہ نے عرض کیا کہ" گھر میں اور بھی بیٹیاں ہیں لڑکا کوئی نہیں" باباجی صاحبؒ نے بچی کو گود میں لیا اس کی پیشانی کو چوما دُعا کی اور مہری صاحبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ" آج سے یہ بچی ہماری ہے۔ بلند خان والی بات نہ کرنا۔ اس طرح مہری صاحبہ نے کہا کہ" غلام مریم کا رشتہ تو اُسی دن طے ہو گیا تھا۔"

پھر چودھری غلام حسین لسانوی اپنی والدہ محترمہ مہری صاحبہ کے ساتھ حضرت حاجی بابا صاحبؒ کے پاس آئے اور مہری صاحبہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ" حضرت آپ غلام حسین لسانوی پر ناراض نہ ہونا یہ سودا تو باباجی صاحبؒ نے اُسی وقت طے کر دیا تھا جب بیٹی غلام مریم پانچ ماہ کی تھیں اور آپؒ آخری مرتبہ ہمارے گھر تشریف

لائے تھے اس لئے ہمیں بیٹی کا رشتہ صاحبزادے میاں بشیر احمد کے ساتھ منظور ہے۔ ؎۱۵۶"

اُس وقت یہ رشتہ پکا ہو گیا پھر ۱۹۴۲ء میں جب میاں بشیر احمد صاحب کی عمر ۲۰ سال کی تھی شادی ہونا قرار پائی۔ اُس وقت حضرت میاں نظام الدینؒ عیال کے ساتھ موہڑا بچھائی میں تھے چنانچہ موہڑہ سے بارات لسانہ آ گئی اور تین دن لسانوی صاحب کے گھر قیام رہا اور مہمان نوازی ہوتی رہی پھر نکاح کی رسم ادا ہوئی اور ڈولی موہڑہ کی طرف روانہ ہو گئی کچھ دیر موہڑہ قیام کیا پھر بہار کے آغاز میں میاں بشیر احمد اپنی اہلیہ محترمہ غلام مریم اور دیگر خاندان کے ساتھ وانگت کشمیر چلے گئے چودھری اقبال عظیم بتاتے ہیں کہ "میاں بشیر احمد صاحب کی شادی بڑی سادگی اور اسلامی شرع کے مطابق ہوئی۔ محترمہ غلام مریم صاحبہ کو اس خاندان میں بے حد پیار ملا اکثر حاجی بابا صاحبؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "بہن آئے تو مجھے اتنی خوشی نہیں جتنی غلام مریم کے آنے سے ہوتی ہے۔" پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا میاں بشیر احمد صاحب کی ہمشیرہ شریفہ بیگم کا رشتہ چودھری محمد اسلم صاحب کے ساتھ ہوا۔ میاں بشیر احمد صاحب کی صاحبزادی زرینہ جی کا رشتہ عبدالغنی کوہلی کے ساتھ ہوا۔ اور دوسری صاحبزادی شہناز اختر کا رشتہ چودھری عبدالرشید لسانوی کے بیٹے ماسٹر مشتاق احمد کے ساتھ ہوا اور خاندان و قبیلے نزدیک آتے گئے۔

؎۱۵۶ میاں بشیر احمد صاحب۔ بابا جی صاحبؒ کے عقیدت مندوں میں چودھری بلند خان کا خاص مقام تھا۔ چودھری صاحب پر آپ کی نہایت شفقت اور مہربانی تھی۔ بابا جی صاحبؒ نے چودھری بلند خان سے اُن کی لڑکی کا رشتہ اپنے فرزند ارجمند میاں نظام الدینؒ کے لئے مانگا تھا۔ چودھری بلند خان نے انکار کیا تو بابا جی صاحبؒ نے فرمایا کہ "مجھے تیری بات پسند ہے۔ اس بات کو ختم سمجھو۔" پھر بلند خان نے اپنی بہن (جو چودھری لسانوی کی ماں تھیں) کے بیٹے چودھری غلام حسین لسانوی کے چھوٹے بھائی محمد حسین کے ساتھ اس بیٹی کا رشتہ طے کیا اور کہا کہ شادی کی تیاری کریں۔ چودھری محمد حسین خوش ہوئے اور شادی کے لئے زیور وغیرہ تیار کر لئے اسوج کے مہینے میں شادی قرار پائی بارات تیار ہو کر لسانہ سے ہاڑی چودھری بلند خان کے گھر پہنچی جب لڑکی کی ڈولی اُٹھنے لگی تو وہ بے ہوش ہو گئی۔ بارات لسانہ پہنچی دلہن کو جب ڈولی سے نکالنے لگے تو وہ نیم مردہ تھی اور جلدی چل بسی اُسی وقت قبر تیار ہوئی اور لڑکی کو بیاہ کے کپڑوں میں ہی دفن کیا گیا۔ اُسی سال ہاڑی گاؤں میں پرندوں نے یلغار کر کے ساری فصل تباہ کر دی بلند خان بات سمجھ گئے اور دربار وانگت شریف چلے گئے اور حضرت بابا جی کے روبرو پیش ہو کر رونے لگے۔ بابا جی صاحبؒ نے فرمایا کہ "بلند خان میرا اور تیرا ساتھ رہا ہے۔ اور پیار بھی رہا ہے۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں یہ سب اللہ کی طرف سے ہوا ہے۔" پھر بلند خان واپس آئے تو اُسی سال ۱۹۷۲ء بکری بمطابق 1915ء کو انتقال کر گئے۔ بابا جی صاحبؒ پھر ہاڑی تشریف لائے اور چودھری بلند خان کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔

سلسلہ نقشبندیہ کا فروغ

تاریخ اسلام میں خلافت کی ابتدا سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوئی آپؓ کو رسول اکرم ﷺ نے اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا اور فرمایا کہ "اگر ساری دُنیا کو ایمان کے ترازو کے ایک چھابڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں ابوبکرؓ کے ایمان کو رکھا جائے تو ابوبکرؓ کا ایمان بھاری ہوگا۔ پھر خلفا راشدین کے زمانے میں خلافت کا سلسلہ جاری رہا اور آگے بڑھتا رہا پھر یہ سلسلہ چار سلسلوں میں بٹ گیا یعنی (۱) سلسلہ قادریہ (۲) سلسلہ نقشبندیہ (۳) سلسلہ چشتیہ اور (۴) سلسلہ سہروردیہ سلسلہ نقشبندیہ تصوف کے قدیم سلسلوں میں سے ایک ہے اس کی کئی شاخیں ہیں۔ یہ سلسلہ صدیوں تک خواجگان کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں اس سلسلہ کا ایک بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ بخاری ہوئے ہیں۔ جن کے باعث اس سلسلہ کا نام سلسلہ نقشبندیہ ہوگیا، سلسلہ کا ایک بزرگ خواجہ باقی باللہؒ غالباً دسویں صدی ہجری میں ہندوستان وارد ہوئے۔ اور دہلی کو اپنی رہائش گاہ بنایا پھر پورے مُلک میں نقشبندیہ سلسلہ کو فروغ ملا حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تعلق رکھنے والوں میں حضرت شیخ احمد سرہندی فاروقی سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اور انہیں خلافت و جانشینی سے نوازہ گیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصومؒ آپ کے خلیفہ مقرر ہوئے اُن کی کوششوں اور کاوشوں کے باعث سرہند رشد وہدایت کا مرکز بن گیا۔ اس سلسلہ نے شمالی ہندوستان میں دین اسلام کی تبلیغ اور آبیاری کے لئے سخت محنت کی۔

چودھویں صدی ہجری کی ابتدا میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کا ایک مرکز دراوا مظفرآباد ضلع میں "کنیاں" گاؤں میں قائم ہوا جہاں حضرت قبلہ خواجہ نظام الدین کیانیؒ نے سلسلہ نقشبندیہ کے تحت دین اسلام کی تبلیغ شروع کی۔ وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے ولی تھے جن سے لاکھوں لوگوں نے فیض پایا اسی لئے گاؤں کا نام "کنیاں" ہوگیا۔

لے میاں نظام الدینؒ اور سلسلہ نقشبندیہ حضرت میاں نظام الدین لاروی نمبر تحریر غلام محی الدین

حضرت میاں عبداللہ المعروف باباجی صاحب ”حضرت نظام الدین کیانیؒ “ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ حضرت باباجی صاحبؒ کے بعد آپؒ کے صاحبزادے سجادہ نشین حضرت میاں نظام الدینؒ نے سلسلہ نقشبندیہ کے تحت دین اسلام کی تبلیغ کو جوش وخروش کے ساتھ جاری رکھا اور رشد وہدایت کا ستارہ بن کر چمکے آپؒ نے طریقہ نقشبندیہ کا درس دیا۔ متقی تقویٰ کے معیار کو سمجھنے کے لئے مطالعہ کیا۔ آپ کی شخصیت شریعت کے اصولوں کی روشن منیارتھی آپ سالک ولی تھے اور متبع سُنت تھے۔ آپ نے ہر وقت اسوہ رسول کا دامن پکڑے رکھا۔ آپؒ کی ذات سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے لئے باعث فخر ہے آپ سیف زبان تھے جو منہ سے نکلتا تھا پورا ہو جاتا تھا آپ کے بارے میں سرکار کیانویؒ نے ایک بار حضرت قبلہ باباجی صاحبؒ کو فرمایا تھا۔ ”آپ دھاگوں کو گانٹھیں مارتے رہے اور میں تعویذ لکھتا رہا مگر یہ میرا بیٹا جو منہ سے کہے گا وہ پورا ہوگا۔“ آپ کی پیشن گویاں حقیقت میں بدل جاتی تھیں فارسی میں ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک وہ پیشن گوئی ہوتی ہے جو پڑھے لکھے لوگ کرتے ہیں جن کی مستقبل پر گہری نظر ہوتی ہے اور اُس کے ذریعے اپنی سوچ اور وجدان کے تحت پیشن گوئی کرتے ہیں۔ جو اولیا کی پیشن گوئی ہوتی ہے وہ جو کہتے ہیں اَن دیکھی بات ہوتی ہے مگر سچ ثابت ہوتی ہے قلندر جو کہتا ہیں۔ دیکھا ہوا کہتا ہے سُنی ہوئی نہیں کہتا۔ اسی طرح آپ جو کہتے تھے سچ ہو جاتا تھا۔

میاں نظام الدینؒ سلسلہ نقشبندیہ کے تحت ایک سالک ولی تھے۔ اور باشریعت شخصیت تھے صورت اور سیرت سے سُنت رسول کے پابند تھے۔ آپ نے مخلوق کو علوم ظاہری اور باطن کا درس دیا روحانی علمی اور دینی پیاس بجھائی آپ کے ہمعصروں میں بڑے بڑے علما تھے جن میں مولانا الحاج میر عالم نقشبندی (گوٹلی باغ) مولانا عبدالعزیز (ولی واڑ) مولانا عبدالرشید (خانن) مولانا محمد یعقوب دیوبندی، مولوی محمد عالم درہالوی مولانا عبدالغنی نثار (سنمل بالا) مولوی محمد اسماعیل (مرگنڈ) شامل تھے۔ آپ نے خیر الناس پر عمل پیرا ہونے کے لیے سیاست میں حصّہ لیا لیکن اس کا مقصد اقتدار حاصل کرنے کے بجائے دبی کچلی قوموں کو حق دلانا تھا۔ دوران سیاست بھی آپ کی شخصیت کو رسول اکرمؐ کے ساتھ ہی الفت رہی اور سُنت رسول ﷺ پر آپ کے ایمان کی پختگی کو دیکھ کر ہر مذہب اور مسلک اور فرقہ کے لوگ آپ سے مدد حاصل کرنے کے لیے آیا کرتے تھے۔ آپ کہیں دین اسلام کی طرف راغب کرتے کہیں تعویذ دیتے اور کہیں بحث مباحثہ کر کے عوام کی اصلاح کیا کرتے تھے۔ اگر شریعت کے

خلاف کوئی بات ہوتی تو سختی کے ساتھ اُس کی مخالفت کرتے بجلی کی طرح کڑکتے تھے اور سخت ترین حکم صادر فرمایا کرتے تھے عبادت ہو یا معاملات زندگی کے ہر پہلو میں آپ متبع قرآن وسنت نظر آتے تھے۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۵ء تک دربار لار شریف پر عقیدت مندوں کو سلسلہ نقشبندیہ کے ساتھ جوڑتے اُن کی زندگی کو قرآن اور سُنت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے آپ کے سامنے وہ لوگ تھے جو زیادہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ جو دین اسلام سے پوری طرح متعارف نہ تھے جو توہمات اور غلط رسم ورواجوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ موصوف نے ان لوگوں کے دینی معاملات کو جب اُن کی زبان میں اُن کے گھروں میں بیٹھ کر اُن کے ہی انداز میں سمجھانا شروع کیا تو آپؒ کے اقوال لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں اُترتے چلے گئے دھیرے دھیرے ریاست جموں وکشمیر کے پہاڑوں میں مقیم قبائل اور طبقے جن میں گُجر، پہاڑی اور دوسری برادریوں کے لوگ آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں میں شامل ہوتے چلے گئے اور اپنی زندگی کو دین اسلام قرآن اور سنت کے تحت گزارنے لگے۔ یہ میاں نظام الدینؒ کی بُردباری برگزیدہ شخصیت پختہ ارادے قرآن اور سنت پر مکمل اعتماد اور سخت محبت کا ہی ثمر تھا کہ آپ نے ریاست کے دورافتادہ پہاڑوں میں رہنے والے گجر قبائل اور پہاڑی طبقہ کو اسلام اور اخوت کی روشنی سے سرفراز کیا۔ ان کے دِلوں کو فتح کیا۔ اُن کے ذہنوں پر حکومت کی اور دربار لار شریف کو اسلام اور شریعت کی تبلیغ کے قلعے میں تبدیل کردیا۔ اور سلسلے کے لحاظ سے درگاہ کو ایک دینی مرکز میں بدل دیا۔

آپؒ کو درویشی، فقیری اور شاعری وراثت میں ملی تھی۔ کیونکہ والد بزرگوار باباجی صاحب لارویؒ بہت بڑے صوفی شاعر اور ولی اللہ تھے چھوٹی عمر میں ہی صاحب موصوف کو کامل پیر کی شفقت حاصل تھی پھر روحانیت نے دوسرا رنگ چڑھا دیا۔ باباجی صاحبؒ نے آپؒ کو اُردو فارسی اور عربی کی تعلیم سے سرفراز کردیا تھا۔ اور ذات پاک کی طرف سے علم لدنی بھی آپ پر منکشف ہو چکا تھا۔ اس لئے ہوش سنبھالتے ہی آپ روحانی رازوں کو سمجھنے اور دینی مطالعہ کے باعث سلسلہ کے معاملات کو آگے بڑھانے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ اور زیادہ تر وقت یادالٰہی یا دینی روحانی اور صوفیانہ مجالس میں گزارتے تھے۔ قبلہ باباجی صاحبؒ کی ان مجالس میں روحانیت اور محبت کی غذا بٹا کرتی تھی۔ اس غذا سے آپ کی بھی ذہنی نشوونما ہوئی اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی تصوف کے رموز اور عشق حقیقی کی باتوں سے متعارف ہوتے گئے۔ کیونکہ حضرت امام غزالیؒ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ ''جس

طرح شریعت کی عدولی کرنے والا صوفی نہیں ہو سکتا اسی طرح روحانیت سے بے خبر رہنے والا بھی صوفی نہیں ہو سکتا اس لئے بچپن سے ہی آپ کا رجحان صوفیانہ شاعری کی طرف تھا۔ دربار لار میں منعقد ہونے والی مجالس اور بابا جی صاحبؒ کی شاعری سے متاثر ہو کر کیا اور چھوٹی عمر میں ہی شعر کہنے لگے۔ حاجی بابا صاحبؒ نے اگرچہ گوجری میں بھی کلام لکھا لیکن زیادہ کلام پنجابی میں ہے۔ چونکہ اُس دور میں مغربی پنجاب میر پور اور مظفر آباد کے علاقوں میں پنجابی یا اس سے ملتی جلتی زبان میں ہی شاعری کی جاتی تھی۔ اور کھڑی شریف کے حضرت میاں محمد بخشؒ نے بھی سیف الملوک پنجابی زبان میں لکھی ہے۔ اس لئے وقت کے مطابق موصوف نے بھی اسی زبان کو وسیلہ بنایا۔ دھیرے دھیرے دربار لار شریف ایسا غیر سرکاری ادارہ بن گیا۔ جہاں گوجری اور پہاڑی زبان وادب کی تخلیق ہونے لگی۔ اُس دور میں جتنے شاعر گوجری پنجابی اور پہاڑی زبان کو ملے اُس کی مثال مِلنا مشکل ہے۔ گوجری زبان جو صدیوں تک زمانے کی مار کھا چکی تھی اُس میں تحریر اور تخلیق کے لئے پہلے قدم حاجی بابا صاحبؒ نے اٹھائے۔ اُنھوں نے گوجری کے سخنوروں کی حوصلہ افزائی کی۔ اُن میں ادب تخلیق اور تصوف کا شعور پیدا کیا۔ اُن کو محفلوں اور مجالس میں پڑھوایا اُن کی اصلاح اور تربیت کی اُن کو داد و ستائش سے نوازہ اور گوجری زبان کے لئے ایسا ماحول تیار کیا جس میں ادیب فخر کے ساتھ اپنی تخلیق پڑھ سکتا تھا۔

دربار لار کی مجالس میں صوفیانہ کلام سنانے اور تصوف بھری شاعری کے ساتھ ساتھ موصوف اپنے مطالعہ دینی سلسلے اور تجربے کی بنا پر شعرا کی تربیت بھی کرتے تھے اور اسلامی تصوف پر مبنی صوفی شاعری میں استعمال ہونے والی فنرشاں اور اشاروں سے بھی روشناس کرتے تھے[لے]۔

حضرت حاجی بابا صاحبؒ ہر ایک کو اسلامی اصولوں پر کاربند رہنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اس لیے شعرا کو اسلام اور سُنت کے دائرہ میں رہ کر تصوف پہ کلام لکھنے کے لئے کہتے تھے۔ آپ ایسی مجالس میں اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

''تصوف کی طرف وہ آئے جس پر مذہب اسلام کے حقیقی اصول آشکار ہو چکے ہوں۔ سالک وہ ہے جو مذہب کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے عشق حقیقی کی منزلیں طے کرے جس طرح چاندی کو جلا کر میل الگ کردی

لے میاں نظام الدین لاروی نمبر تحریر غلام محی الدین۔ جناب اقبال عظیم

جاتی ہے۔اِسی طرح عشق حقیقی میں خود کو جلا کر روح اور دل کو صاف کرنا پڑھتا ہے۔تب اُس دل میں ذات پاک کی محبت جاگتی ہے۔محبت خوشی اور سکون کے جذبے تبھی پنپتے ہیں۔جب سدا زندہ رہنے والے سے محبت کی جائے۔جس طرح تمام رنگ اندھیرے میں چُھپ جاتے ہیں۔اور روشنی میں آشکارہ ہوتے ہیں۔اسی طرح انسانی ذات کے ذات پاک کے ساتھ وصل کے تمام راستے اُس وقت تک اندھیروں میں غائب رہتے ہیں۔ جب تک اللہ اور رسول ﷺ کی محبت دل میں روشن نہ ہو۔وہ عشق جو رنگ اور صورت سے کیا جائے عشق نہیں۔ فریب ہے کیونکہ رنگ اور صورت کو وقت نگل جاتا ہے۔لیکن وہ عشق جو خالق حقیقی سے کیا جائے سدا قائم ودائم رہتا ہے۔ایسا عشق حاصل کرنے کے لئے پاک لوگوں کی صحبت میں رہو۔اندھیرے کی طرف نہ جاؤ کہ سورج ہے۔ نفرتوں سے دور رہو کہ محبت ہے۔نفس کے چشمے کو صاف رکھو کہ اس میں ذات پاک کی محبت قیام کر سکے۔یاد رکھو کہ دُنیا ایک قید خانہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں سُرنگ لگا کر باہر نکلا جائے۔یہ سُرنگ اللہ اور اُس کے رسول کی پاک محبت سے ہی لگ سکتی ہے۔اس لئے ایسی محبت کو موزوں بنا کر شاعری کرو اور اُس کو عام کرو تا کہ اللہ اور رُسول کی محبت کی بصارت دِلوں میں روشن ہو سکے۔

خُدا کے عشق میں رنگے ہوئے لوگ عشق حقیقی کا سفر طے کرنے سے ڈرتے نہیں۔جب بڑھتے ہیں۔تو پیچھے نہیں ہٹتے۔صوفی شاعروں کے لیے شاعری فن ہی نہیں بلکہ عبادت بھی ہے۔اسی لیے حاجی بابا صاحبؒ فرماتے ہیں۔

الف: - اندر شاعراں میں منظور ناہیں اندر عاقلاں دے میرا نام ناہیں
اپر درد دے باجھ پیاریا دے لکھیا مول میں ایہہ پیغام ناہیں
جرے گیا نہ پیاریا درد اندر ، اندر دل دے رہی کلام ناہیں
نظام الدین خطا معاف کرنی واپس جانا میں باجھ انعام ناہیں

الف: - الم تے غم ہر دم رہندے ہنجوں نیر چھم چھم وہن یار ہوندے
ڈُبن بحر عمیق دے وچ عاشق ناہیں باجھ مہانیاں پار ہوندے
جہڑے جان بچاوندے طعنیاں تھیں کدا وہ عاشقاں وچ شمار ہوندے
لاہون کھل تے چڑھن نظامؔ سولی عاشق مرن تے جنت تیار ہوندے

محبوب سُبحانی سے وصل اور روحانیت کا سفر بڑا طویل اور دشوار گزار ہوتا ہے۔ روحانیت کے میدان میں تصوف کو سیڑھی کے طور پر استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس مقام پر لفظ "میں" ختم ہو جاتا ہے۔ اور پھر سالک "توں توں" کرتے ہوئے "توہی" کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اسی لیے آپؒ فرماتے ہیں۔

ر: - رسم ہمیش ایہہ اُلفتاں دی قالب دو بھانویں تاں بھی دم سانجھے
ایہہ وی رسم ہمیش پیار اندر رل کے ہن نالے ڈھلن نم سانجھے
ایہہ بھی رسم پیار دے وچ دایم سانجھی خوشی تے بھوگن غم سانجھے
ایہہ بھی رسم نظامؔ پیار اندر وصل ہجر دونویں مُنڈھوں کم سانجھے

آپ کی سی حرفیاں پڑھنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ شاعری آپ کے اندر سے ایک چشمے کی طرف پھوٹتی ہے۔ اور پنجابی زبان کو سیراب کرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ سی حرفی کے ایک ہی بند میں بارں ماہ لکھ دینا شاعر کا فن کمال مانا جاتا ہے۔ جو آپؒ کو حاصل تھا۔ موصوف کی شاعری کا پنجابی زبان میں بڑا اونچا مقام ہے۔ اس سی حرفی کا اقتباس دیکھیے[31]۔

---

[31] میاں نظام الدینؒ کی صوفیانہ شاعری پرمبنی کتاب اشعار نظامی اگرچہ بعد میں مرتب ہوئی اور ۱۹۸۶ء میں میاں بشیر احمد صاحب کی کوششوں سے محکمہ اطلاعات کی طرف سے شائع ہوئی لیکن اس کتاب میں درج سی حرفیوں اور ان کا بہترین کلام ۱۹۲۵ء۔۱۹۳۰ء کے درمیان اُس دور میں لکھا گیا تھا جب موصوف نے اپنے عقیدت مندوں میں صوفیانہ شاعری کی لہر پیدا کی تھی اس کتاب میں سی حرفیوں کے حرف "الف" پر ہی ۸۸ بند ہیں۔ جبکہ "گ" حرف پر ایک بند ہے باقی سی حرفیوں پر کئی بند ملتے ہیں۔ یہ کتاب کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام میں آج بھی مقبول ہے۔ اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

د: - دردڑاہڈے میرے وچ سینے نت رونیاں رونیاں رونیاں او ہ
ہوئی سخت غمناک ہلاک ہجروں ہنجو چونیاں چونیاں چونیاں اوہ
انتظار میں لیل نہار رہندی چھٹیا ں او نیاں اونیاں اونیاں او ہ
موتی ہار نظام دن رات ہجرو ں بیٹھی پو نیاں پو نیاں پونیاں او ہ

حضرت میاں نظام الدینؒ اور سائیں قادر بخش کے درمیان صوفیانہ شاعری کے تعلق سے گہرا رشتہ تھا اگر چہ موصوف پنجابی صوفیانہ شاعری کے قد آور شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن سائیں قادر بخش کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ ''اگر میں نے شاعری میں کسی سے اصلاح لی ہے۔'' تو وہ سائیں قادر بخش ہیں۔ آپ اکثر سائیں صاحب کی سی حرفیاں سُنایا کرتے تھے۔ اور کئی بار حاجی بابا صاحبؒ، سائیں قادر بخش اور خُدا بخش زار نے ایک بحر میں طبع آزمائی کی ہے ملاحظہ کیجیے۔

ص: - صدق یقین رکھ تو ں ہیرے چھڈ ھ کے لیا رانجھا
کہنڈی دل دی دور کر یں تو پھیر عشق دا ما نجھا
کدے آرام نہ جگ وچ کردا دواں گھراں دا سانجھا
ایکو پا سا رکھ لے ہیرے یا کھیڑے یا رانجھا (سائیں قادر بخش)

ص: - صدق یقین بہتیرے کیتے سب کجھ چھکا پا نجھا
دہی دودھ نہ روغن مسکا ، نہ لسی نہ کا نجھا
ہتھ لایاں تا ں معلوم کیتا کجھ نالوں ایہہ جانجھا
ہیر تتی دے لیکھ اولے نہ کھیڑے نہ رانجھا (خُدا بخش زار)

ص:- صدق یقین ملائی با جھوں نہ لسی نہ کا نجھا
روح صدق دی ہیر پیاری بُت عشق دا رانجھا
نظر نہ آوے بھانویں پیارا دل بناو سانجھا
دماں نال بھاو یاری چھوڑ نکما لانجھا

(میاں نظام الدینؒ)

آپؒ نے گوجری زبان میں اگرچہ کم شاعری کی مگر بڑی معیاری شاعری کی آپ کے گوجری کلام میں دردکی لذت عشق ومحبت کی چاشنی ہجروفراق کی کیفیت باطنی منظرکشی اوردل کی وارداتوں کی عکاسی ہوتی ہے[1]
آپ کے گوجری کے یہ شعر ملاحظہ ہوں۔

اٹھرواں نا پُچھے کوئی دسوکتوں آنویں تم
کڈھ کے رت کلیجہ بچوں پانی کیوں بنانویں تم
جھولی ناتم آلا بھولاتر کریں کس کاری
رت سکائیں کپڑا بھجیں مجڑے کھوڑے آنویں تم

[1] سائیں قادر بخش اور حضرت میاں نظام الدین" تحریر میاں ارشاد، پروفیسر سیوا سنگھ

مولانا مہر الدین قمرؔ کے نام حضرت میاں نظام الدینؒ کے دو خط[1]

اگرچہ امیر القوم میاں نظام الدینؒ نے نثر میں بہت کم لکھا لیکن جو لکھا وہ اُردو زبان کے شہ پاروں میں شامل ہوتا ہے۔ اُن کی تحریر میں تخیل کی پرواز الفاظ کا رچاؤ زبان کی چاشنی اور انداز کی خوبصورتی کی واضح جھلک ملتی ہے۔ وہ بڑے خوش خطیب اور صاحبِ طرز ادیب تھے۔ اُن کی نثری تحریر کسی عنوان سے نہیں ملتیں لیکن جو خط اُنھوں نے دوستوں کو لکھے وہ بڑی خوبصورت عبارت میں لکھے گئے ہیں۔ ایسی عبارت وہی لکھ سکتا ہے۔ جسے اُردو زبان پر پورا عبور حاصل ہو خاص کر جو خط موصوف نے ۱۹۶۷ء میں جناب مولانا مہر الدین قمرؔ راجوروی کے نام پاکستان میں لکھے تھے اُن کو پڑھ کر مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اس کتاب میں نمونے کے طور پر باباصاحبؒ کے دو خطوں کے اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

۲۲، مارچ ۱۹۶۷ء

پیارے قمر۔ چکور کا سلام قبول ہو سلام علیکم ورحمتہ اللہ

کئی سالوں سے تلاش کر رہا تھا کل اچانک قلم سے ملاقات ہو گئی علیک سلیک کے بعد میں نے کہا ''اے قلم کئی سالوں سے میں تجھے تلاش کر رہا تھا تو کہاں گم ہو گیا تھا۔ قلم نے کہا میاں گم تو آپ ہو گئے تھے میرے گم ہو جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خالق سے لیکر مخلوق تک نیک سے لیکر بد تک حاکم سے لیکر مطلوب تک پیر سے لیکر مرید تک امیر سے لیکر غریب تک مرد سے لیکر عورت تک بچے سے لیکر بوڑھے تک عالم سے لیکر جاہل تک قرض دینے سے لیکر مقروض تک ازل سے لیکر ابد تک عرش سے فرش تک پتہ نہیں کہاں تک یہ تک تک کا سلسلہ کہیں ختم بھی ہو سکتا ہے قلم روتے روتے ہنس گیا اور کہنے لگا خوب کیا تم نے یاد کرا دیا تمہارے جیسے ناآشنا لوگوں سے میں ہمیشہ

[1] چودھری اقبال عظیم

کنارہ کش رہتا ہوں یوں بھی کبھی کبھار منہ پر سیاہی لگا کر بیکاری کی طرح بادلِ ناخواستہ بیگار تو کاٹ دیا کرتا ہوں لیکن محبت اور دلچسپی سے نامحرم دل انسان کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں رکھتا ہوں۔ کہو کیا لکھواتے ہو۔ تضیع اوقات سے کیا وعدہ میں نے کہا میرا ایک پیارا دوست مجھ سے بچھڑ گیا ہے کہ ایک بوڑھے سے پتہ چلا کہ وہ کہیں بہت دُور قدموں سے دُور لیکن دل سے نزدیک ہے۔ اُسے دُعا سلام اور خط پیام لکھوانا چاہتا ہوں۔ قلم نے کہا صاحب معاف فرمانا فراموشی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اس بیچارے کی جانب سے میں نے آپ کو کئی بار خود نوشتہ پیغام پہنچائے میں نے لِکھا اور اُس نے لکھوایا مگر آپ ہیں کہ ٹس سے مس نہ ہوئے آخر اُس نے تنگ آ کر نہایت خمیدہ اور سنجیدہ دل کے ساتھ مجھ سے طعن بھی لکھوایا کہ میری یاد کے ساتھ کچھ تلخیاں بھی تھیں۔ اچھا ہوا کہ مجھ کو فراموش کر دیا۔ بات تو وہی فقرے تھی مگر اس کی تفسیر بہت لمبی چوڑی تھی۔ لیکن آپ متاثر نہ ہوئے اب وہ روٹھ گیا ہے تمہیں اشارتاً یاد کرنے سے تو باز نہیں رہ سکتا لیکن بظاہر روٹھا ہوا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ویسے بھی جُدائی کی داستان لکھنے سے میں قاصر ہوں... آپ کیا جانے میری سر بیتی کہانی ایسی ہے جس کو آپ جیسا درد آشنا آدمی بھی سنکر متحمل نہیں ہو سکے گا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا خُدا کے لیے کچھ تو سُنا دو قلم نے کہا اچھا ایک مکمل کتاب کے ایک دو ورق کی ایک سطر کا ایک حرف سُنو اور دل سے سنو۔

" قصہ ھجراں شکایت میکنم "

میں جنگل میں ایک خوش سایہ خوش شکل خوش ذائقہ اور ثمر دار درخت کی ایک ٹہنی کی ایک شاخ تھی جس پر خوبصورت اور سنہری رنگ پرندے چہچہایا کرتے تھے۔ کبھی دھوپ کی چھاؤں کبھی ظلِ غمام، کبھی بارش، کبھی خوش ہوا کبھی شبنم کے موتی میرے پتوں پر زیور بن کر چمکتے تھے اچانک ایک کاتب آیا اور نہ جانے اُسے میری یہ خوشی اور آرام دیکھ کر کیوں رشک ہوا اُس نے مجھے اپنے پیارے شجر کے سینہ سے کاٹ کر جُدا کر دیا۔ قلم نے اپنی جُدائی کا... بڑے المناک پیرایہ میں بیان کیا۔ اتنا کہہ کر قلم خاموش ہو گیا میں نے منت سماجت کی کہ سُناؤ پھر کیا ہوا کہنے لگی اوہو بڑے بے ترس معلوم ہوتے کیا سُن سکو گے لو ایک دو فقرے اور سُن لو... پھر کاتب نے میرے سر پر آرہ چلایا میرے دِل کو چیر کر ٹکڑے کر دیا۔ پھر قلم دان کے جیل خانوں میں مجھے قید کر دیا اور سزا کے طور پر میرے منہ پر سیاہی لگا دی پھر ایک خوبصورت صاف شفاف کاغذ لے کر مجھے کہا لو چند منٹ اس پر دوڑ کر دل بہلائی کر دیہ تم سے پھر

ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جائے گا۔ کیوں جُدا ہو جائے گا۔؟ جواب ملا اس لئے کہ تمہاری سرشت میں یوم ازل سے ہی جُدائی ہے اس لئے تم جس کاغذ سے انگ لگاؤ گی وہ تم سے جُدا ہو جائیگا۔ یہ دِل فگار لفظ جُدائی کا سنکر مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اور میری زبان پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگئی اب میں نے توبہ کرلی ہے کہ جُدائی کی کہاوتیں کبھی نہ لکھوں گی اگر اصل کہاوت لکھوں تو کائینات میں تزلزل آجائے گا۔ میں جل جاؤں گی کاتب بھی جل جائے گا بلکہ عالم اجسار کا ذرہ ذرہ جل جائے گا۔ میں نے پوچھا کہ ”قرآن شریف بھی تو تو نے ہی لکھا ہے۔“ کہا نہیں اُس کا کاتب ”ربّ العالمین ہے۔ وہ لوح محفوظ پر پہلے ہی لکھا گیا تھا۔“ پھر کلام سے کتاب کی شکل بنی میں نے پوچھا اس قلم قدرت اور لوح قدیم کا اور تمہارا ابھی بہم کچھ واسطہ ہے۔ جواب میں کہا کہ ”وہ عالم الغیب کی کہانی ہے اور میں عالم سہارہ کی پیداوار ہوں۔“ میں نے پوچھا ”اُس کا نشان اس جہان میں بھی کوئی ہے قلم نے جواب دیا ہاں۔ اولیا اللہ کی زبان میں اس کی سیاہی کی چاشنی ہے میں نے پوچھا اُس قلم کی زبان کے بھی دو ٹکڑے ہوئے تھے“۔ کہا... ہاں... جب جُدائی اور حرف فراق لکھا گیا تو جُدائی کی دہشت سے اس کی زبان بھی پھٹ گئی وہ اصل ہے میں فرع ہوں میں نے کہا اُس کا مقام تو بہت اعلیٰ وارفع ہے اور تو کبھی کبھی فحش اور مہمل کتابت کی بھی مرتکب ہو جاتا ہے کہا اس کا کاتب بھی ارفع اور میرا کوئی کاتب بھی کبھی کبھی ایسے ہی جُرم کا مرتکب ہو جایا کرتا ہے۔ اس کا کاتب لازوال اور لامثال ہے میرا کاتب فانی ہے اور یہ میری مختصری کہانی ہے۔

فتدبرو تفکریا اولوالابصار

اصلی ایہہ قانون نظام الٹا لکھے گیا یہ بڑی خطا ہوئی ہے

س: - سوز پتنگ دے وچ دیکھو شمع اپنی جان جلائی ہوئی ہے
ناہیں شمع تے نہ ہی پتنگ رہیا دواں ولاں دی تکو تباہی ہوئی ہے
اسدے سوز وچ اس نے جان ساڑی مویا او جس اگ لگائی ہوئی ہے
اصلی ایہہ قانون نظام اُلٹا لکھے گیا پر بڑی خطائی ہوئی ہے

پرسان حال کو سلام دُعا عزیزوں دوستوں کو سلام

میاں نظام الدین لاروئیؒ .... ۲۲، مارچ ۱۹۶۷ء

مندرجہ بالا خط کی عبارت سے موصوف کے تخیل پرواز مرصع زبان اور چھوٹی سی بات کو موزوں بنا کر دین کے فلسفے کے ساتھ جوڑنے کی مہارت کا پتہ چلتا ہے ایک اور خط جو یکم مارچ ۱۹۶۷ء کو قمر راجوروی کو لکھا گیا اُس کا ایک اقتباس بھی ملاحظہ کریں:-

بسوئے قمر راجوروی :- از بابا نگری وانگت پیارے قمر اسلام علیکم ورحمتہ اللہ قمر اور چکور کے درمیان ہمیشہ دُور کے سلام اور دور کے پیغام اور دور کے فغاں دِل کے ارمان قدیم رسم جہان ہے کل مجھے ایک بوڑھا آدمی مِلا صورت جانی پہچانی نظر آئی میں نے پوچھا بھائی جان نہ جانے میں نے آپ کو کہاں دیکھا تھا۔ اُس نے جواباً کہا کیوں بھائی تم کو وہ عاشق پورہ کی کہانیاں بھول گئیں جب تمہارا ایک دوسرا ساتھی جو عاشق پورہ کا ذیلدار تھا اور کیسر کے پھولوں کا بیوپار کیا کرتا تھا اور بات بات پر تم کو ستایا کرتا تھا۔ کبھی رُلایا کرتا تھا کبھی تمہارے پاؤں میں گدگدیاں کیا کرتا تھا۔ کبھی ایک روپیہ پیش کر کے کہا کرتا تھا لو جی یہ اُنیس کم بیس روپے آپ کا نذرانہ یا شکرانہ ہے۔ میں سوچنے لگا یا اللہ یہ بوڑھا کوئی نجومی ہے یا صاحب کشف ہے یہ عمر رفتہ کی کہانیاں سُنا رہا ہے میں نے بے اختیار پوچھا "وہ کیسر کے پھولوں کا بیوپاری عاشق پورہ کا ذیلدار کہاں"......... اُس نے کہا "جب ذیلداری سسٹم ختم ہوگیا کیسر کے پھول بھی نظرِ خزاں ہو گئے چمن ویران ہوگیا۔" وہ تو بُلبُل کی طرح دل برداشتہ ہو کر دغے بازی کی صورت میں کہنے لگا۔ "کل پرسوں پھر ملوں گا اور بھاگ گیا۔" اتنا سا کہہ کر وہ بوڑھا خاموش ہوگیا پھر کچھ سوچنے لگا پھر بولا "اے اللہ اسکی ٹھگی اور اس کا دغا بھی آجکل کے سچائی کے دعویداروں سے بدرجہ کہیں بہتر اور افضل تھا" آخر وہ بیچارہ بوڑھا اپنے بچھڑے ساتھی کی یاد میں زار و قطار رونے لگا اور پکار پکار کر کہنے لگا۔ "اے خالق کون و مکان میرا تیرے ساتھ صحیح وعدہ ہے کہ میری جان کی جان میرے دوست کی یاد ہے میں مر کر اور حشر اور نشر تک بھی اپنے دیرینہ ساتھ کو کبھی نہیں بھولوں گا.........."

ل: لان دے وقت کجھ ہور آئے اجکل گل کجھ ہور دی ہور ہو گئی
لگے نقص لکھ میری محبتاں نوں گولی عمر دی ساں الٹی چور ہو گئی
ہُن پیار نوں تُساں وسار چھڈیا لہراں موجاں دی گل کمزور ہو گئی
اُلٹے عشق دے کم نظام جانی گا ہکی چمن تے ہٹی پشور ہو گئی

پرسان حال چھوٹوں بڑوں کو سلام دُعا۔ فوٹو ارسال ہے عنقریب دوسرا خط اور فوٹو بھیج دوں گا میں بوڑھا ہو گیا ہوں لکھنا چھوڑ دیا ہے ہاتھوں میں بڑھاپے کی وجہ سے لرزا ہے لیکن داستان ہجر لکھتے وقت قلم بھی لرزتا ہے دل بھی لرزتا ہے۔ آئندہ پھر کوشش کروں گا۔۔۔۔ والسلام

نظام الدین لاروی

۲-مارچ ۱۹۶۷ء

32۔ امیر القوم میاں نظام الدینؒ صاحب پنجابی اور گوجری زبانوں کے بہت بڑے صوفی شاعر اور اپنے وقت کے صوفی شعرا کے سالار تھے اُن کی تخلیق کے سوتے شعروں کے انداز میں پھوٹتے تھے اور دلوں کو سیراب کرتے ہوئے نکل جاتے تھے وہ شعروں کے ذائقے انسانی ذات کے معاملوں سے ذات پاک تک رسائی ؟ کر لیتے تھے۔ موصوف کی صوفیانہ شاعری کی کتاب اشعار نظامی ۲۵۷ صفحات پر مشتمل ہے حضرت موصوف نے اپنی زندگی میں شاعری کی شیرازہ بندی نہ کی تھی بلکہ کاغذات اور کاپیوں پر شعر لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ اس بہترین صوفیانہ کلام کی شیرازہ بندی میاں بشیر احمد صاحب نے حضرت حاجی باباؒ کی رحلت کے بعد کی اور پہلی بار اشعار نظامی محکمہ اطلاعات ریاست جموں وکشمیر نے ۱۹۸۵ء میں شائع کی جو ہاتھوں ہاتھ نکل گئی پھر مریدوں اور عقیدت مندوں کی استدعا پر حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے اس کے دو مزید ایڈیشن بھی شائع کرائے۔

۱۹۴۴ء میں راجوری میں گوجر جاٹ کانفرنس کا سالانہ اجلاس

امیر القوم حضرت میاں الدینؒ ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک لگاتار آل جموں و کشمیر گوجر جاٹ کانفرس کے صدر رہے کیونکہ آپؒ کے علاوہ ایسی کوئی بھی شخصیت نہ تھی جو دینی اصلاحی اور سیاسی طور سے اپنے لوگوں کو اکٹھا کر سکتی اور اُن کے مسائل کو حل کر سکتی۔ اس دوران پہاڑی علاقوں میں واقع آبادیوں علاقوں اور خطوں میں آپ لگاتار کانفرنس کر کے عوام کو آنے والے وقت کے لئے تیار کرتے رہے۔ ان کانفرنسوں میں گوجر اور جٹ قبائل کے علاوہ دیگر طبقہ کے دبے کچلے لوگ بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ گوجر جاٹ کانفرنس کے سالانہ اجلاس نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے اجلاسوں کی طرز پر ہی منعقد ہوا کرتے تھے۔ جن میں عوام کو دینی اصلاحی اور سیاسی طور پر باخبر اور باشعور کیا جاتا لوٹ کھسوٹ، ناانصافی اور اقتصادی عدم مساوات کے بارے میں آواز اُٹھائی جاتی اپنے لوگوں کی زندگی کو بہتر سے بہتر کرنے کے منصوبے ترتیب دیئے جاتے اور لائحہ عمل کا تعین ہوتا۔ اسی طرح کا ایک اجلاس ۱۹۴۴ء میں راجوری شہر میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس کا اشتہار بھی میاں نظام الدینؒ کی جانب سے جماعت کے جنرل سیکریٹری چودھری محمد دین نے شائع کرایا تھا جس کا متن یہ ہے۔

''مورخہ ۱۹/۲۰ منگھر ۲۰۰۱ء بکرمی (بمطابق دسمبر ۱۹۴۴ء بروز اتوار اور سوموار بمقام راجوری خاص زیر دست صدارت حضرت امیر القوم گجر جاٹ کانفرس کا سالانہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے اس اجلاس میں جموں و کشمیر پونچھ، کشتواڑ، چھمب، بھدرواہ، چنبہ، مظفر آباد اور میرپور وغیرہ اضلاع کے تمام اکابرین قوم بلا لحاظ مذہب ملت اور برادری شمولیت فرما کر قوم کے اقتصادی مسئلہ کے حل پر غور فرمائیں گے ....قوم کو چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اس اجتماع میں شمولیت کریں اور ہر دو اقوام کے افراد اس قومی اجتماع کو کامیاب بنانا اپنا اخلاقی فرض سمجھیں...

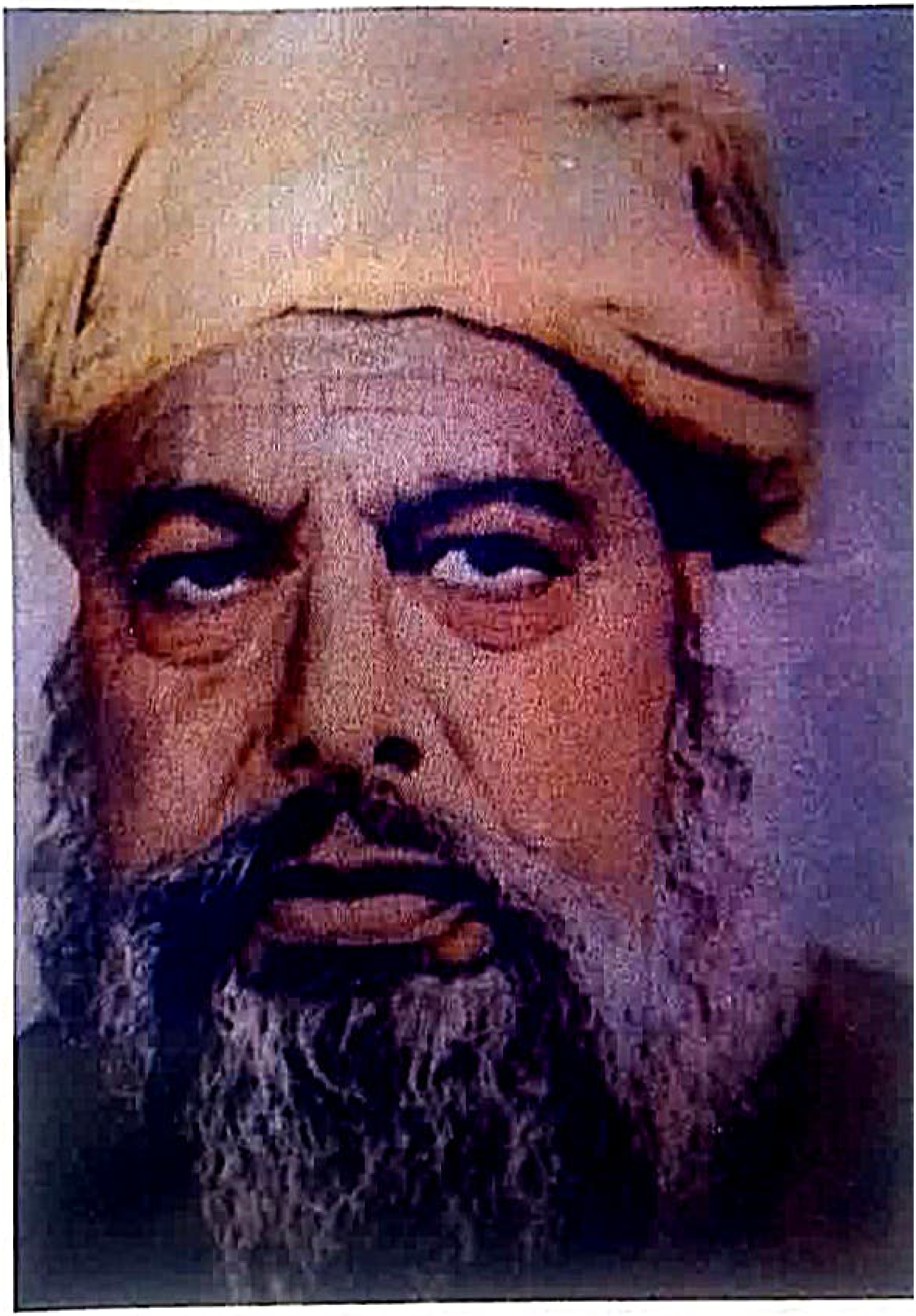
راجوری شہر میں زیر صدارت حضرت امیر القوم منعقدہ ہونے والی یہ دو روزہ کانفرنس نہایت کامیاب رہی اس کانفرنس میں مظفر آباد، پونچھ، کوٹلی، بھمبر، میر پور، بدھل جموں اور وادی کشمیر کے علاوہ بیرون کشمیر سے آئے



حضرت میاں نظام الدین لارویؒ کی عہد شباب کی ایک نایاب تصویر



حضرت میاں نظام الدین لاروی ؒ کی عہدِ شاب کی ایک نایاب تصویر



جناب حاجی محمد اسرائیل کھٹانہ

ہوئے مندوبین حضرات نے شرکت کی یہ اجلاس راجوری شہر میں واقع کھلے میدان میں منعقد ہوا موجودہ ٹاؤن ہال اور جامع مسجد کے درمیان واقع تھا۔ اجلاس میں ۱۵/ ہزار گوجر اور جٹ برادری کے علاوہ پہاڑی طبقہ کے لوگ بھی شامل ہوئے جن میں ''اخبار الانسان'' کے ایڈیٹر مولانا محمد دین برنالوی، مولانا غلام حسین جبالی (تاس گجر) بھنگائی مولانا مہر الدین قمؔر راجوری، مولانا محمد اسماعیل ذبیحؔ راجوروی، چودھری دیوان علی، چودھری غلام حسین لسانویؔ صاحب حضرت پیر حاجی نوران شاہ صاحبؒ لاہ، اُن کے صاحبزادے عبداللہ شاہ آزاد۔ میر پور سے مولانا محمد عبداللہ سیاخوی بھمر دیوا بٹالہ سے چودھری حمید اللہ خان ایڈووکیٹ، پونی بھارکھ کے حاجی محمد اسرائیل کٹھانہ جموں درسوپور کے چودھری عمر اور قاضی عالم دین ڈوکری قاضیاں تحصیل جموں نے خاص طور سے شرکت کی اس کانفرنس کے دونوں اجلاس امیر القوم کی صدارت میں ہوئے جبکہ مولانا مہر الدین قمؔر اجلاس میں سیکریٹری کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اجلاس کے دوران شعرا حضرات نے اپنے لوگوں اور قبائل کے مسائل اور معاملات پر منظوم نظمیں بھی پڑھیں جن میں حافظ چراغ صاحب کی نظم ''جٹاں'' بہت مقبول ہوئی اور یہ نظم دوبارہ پڑھوائی گئی۔ اُس زمانے میں اپنی نوعیت کا راجوری میں یہ پہلا سب سے بڑا اجتماع تھا جس میں ہمہ گیر عوامی شمولیت کی وجہ حضرت امیر القوم کی شخصیت تھی جن کے نام پر لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔[33]

[33] حضرتؒ کے ایک فرزند جنید نظامی صاحب نے وانگت میں راقم کے ساتھ ایک گفتگو میں بتایا کہ ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کی دہائی میں علاقہ راجوری پونچھ کوٹلی، میر پور اور مظفر آباد کے گاؤں میں ساہوکاروں کی لوٹ کھسوٹ عروج پر تھی ہر شخص ساہوکار کا مقروض تھا ایک تو ان ساہوکاروں کے پاس پیسہ تھا۔ دوسرے وہ پنجاب سے مال سامان لاتے تھے وہاں اُن کے رابطے تھے جو مقامی لوگوں کو حاصل نہ تھے۔ اس لئے پنجاب سے لایا ہوا مال وہ دگنے چگنے بھاؤ پر فروخت کرتے تھے۔ تیسرے اُن کا سیدھا رابطہ حکومت کے کارندوں کے ساتھ تھا۔ جس کی وجہ سے پورے پہاڑی خطہ میں آباد لوگ اُن کے مقروض ہو چکے تھے۔ کچھ اُن کے مزدور بن گئے تھے۔ کچھ اُن کے نوکر ہو گئے تھے۔ کچھ اُن کے مویشی چراتے تھے۔

حکومت تک اُن کی رسائی بھی نہ تھی اس لئے ساہوکاری نظام کا سب سے بڑا نشانہ یہی لوگ تھے۔ ایک تو وہ راجہ اور مہاراجہ کی آسامیاں تھیں پھر وہ ساہوکاروں کی آسامیاں بھی ہو گئیں ایک طرف حکومت کی طرف سے بے جا ٹیکس اور رسومات دوسری جانب استحصال پسند قوتوں کی دھونس تھی وادی کشمیر کے پہاڑوں میں رہنے والے پچھڑے ہوئے قبائل وانی، خواجہ اور امیر مسلمان تاجران کے چنگل میں بھی پھنسے ہوئے تھے۔ وہ بھی ساہوکاروں کی طرح اُن کو لوٹ رہے تھے ان حالات میں امیر القوم کے تحفظ اور اُن کی عزت و ناموس و ترقی کے لئے میدان میں اُترے تھے۔

اس کانفرنس میں ساہوکاری نظام سب کے خلاف زوردار آواز اُٹھائی گئی اور حکومت سے مانگ کی گئی کہ گجر قوم و دیگر دبے کُچلے لوگوں کو ساہوکاری نظام سے بچانے کے لئے حکومت امداد باہمی کے تحت بنک قائم کرے تاکہ عوام وہاں سے ضرورت کے وقت قرضہ لے سکیں اس کے علاوہ چراگاہوں میں جانے والے گجر قبائل و ہمسایہ طبقوں پر کاہچرائی ٹیکس عاید تھا اُس کو ختم کرنے کی مانگ کی گئی جموں کو راجوری اور پونچھ کے ساتھ بذریعہ سڑک رابطے کے لئے کہا گیا۔ گاؤں میں اسکول کھولنے اور دینی مدارس کی مالی معاونت کرنے کے لئے قرارداد پاس کی گئی۔ اصلاحی طور پر چھوٹی عمر کی شادیوں پر پابندی کا اعلان ہوا۔

توفیق کے مطابق جہیز دینے اور بیاہ شادیوں میں سادہ دعوتیں کرنے پر زور دیا گیا تاکہ غریب طبقے کے لوگوں کو قرضے کے بوجھ سے بچایا جائے۔ اغوا اور جبری شادیوں کے بارے میں اسلام اور شرع کے مطابق سخت احکامات جاری کیے گئے اس طرح یہ کانفرنس اپنے لوگوں کی سربلندی اور معاشرے کی بہتری کے لئے بڑی معاون ثابت ہوئی اور اس کے بڑے دُوررس سیاسی اور سماجی نتائج برآمد ہوئے۔[34]

[34] یہ کانفرنس جو حضرت میاں نظام الدینؒ صاحب کی صدارت میں ہوئی اس میں مندوبین حضرات کے رہنے اور کھانے پینے کے اعلیٰ انتظام کیے گئے تھے۔ میرپور سے کھانا بنانے والے باورچی بلائے گئے..... سرکردہ مہمانوں کی رہائش کا انتظام چودھری دیوان علی کے گھر دھنور جرالاں میں کیا گیا اور باقی مندوبین کا انتظام راجوری شہر کے گھرانوں میں کیا گیا جن میں کئی غیر مسلم گھرانے بھی شامل تھے۔ امیر القوم کے احترام کی وجہ سے بہت سے مقامی ہندوں نے کھانا بنانے کے لئے برتن اور دیگر سامان مہیا کیا جبکہ نوشہرہ علاقہ کے جاٹ ہندوں کی ایک جماعت بھی اس کانفرنس میں شامل ہوئی۔ اس سے ایک سال پہلے ۱۹۴۳ء میں اکھنور میں حضرت امیر القوم کی صدارت میں گوجر جاٹ کانفرنس منعقد ہو چکی تھی۔ جس میں میرپور، بارہ مولہ، دیپالپور اور جموں کے کنڈی علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں نے شرکت کی امیر القوم و چودھری دیوان علی کے خطاب کو سُنا۔

۱۹۴۵ء میں پنڈت جواہر لعل نہرو کی وانگت میں آمد

۱۹۴۵ء تک آتے آتے ریاست جموں کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں آباد تقریباً تمام لوگ روحانی اور دینی طور سے دربار عالیہ باباجی صاحبؒ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ اور سجادہ نشین امیر القوم حضرت میاں نظام الدینؒ کی روحانی عظمت، سیاسی بصیرت، عوامی مقبولیت اور دینی صلاحیت کے باعث ایک قوم کی طرح آپ کے جھنڈے تلے متحد ہو چکے تھے۔ اور قوم صاحب موصوف کو اپنا ضامن اور اپنا رہبر مانتی تھی۔ اس بات سے شیخ محمد عبداللہ اچھی طرح واقف تھے۔ وہ کئی بار روضہ اقدس پر حاضری دے چکے تھے اور موصوف امیر القوم کا نہایت احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ الگ الگ سیاسی جماعتوں کے صدر ہونے کے باوجود دونوں رہنماؤں کے درمیان گہرے مراسم اور قریبی روابط تھے۔ جہاں شیر کشمیر کی خواہش رہتی کہ امیر القوم کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا رشتہ استوار رہے وہیں موصوف بھی کشمیر کے سیاسی منظرنامے کے حوالے سے شیخ محمد عبداللہ کی عوامی جدوجہد اور خدمات کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ان ہی دوستانہ تعلقات اور تناظر کے دوران نیشنل کانفرنس کے صدر شیخ محمد عبداللہ نے ۱۳- اگست ۱۹۴۵ء میں پارٹی کا سالانہ اجلاس سوپور میں منعقد کرنے کی تاریخ مقرر کی۔[1] اور ہندوستان کے چوٹی کے کانگریسی رہنماؤں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ کانگریس کے سرکردہ لیڈر جولائی ۱۹۴۵ء میں مختلف جیلوں سے رہا ہوئے تھے۔ اس لئے اُنھوں نے شیخ صاحب کے اِس دعوت نامے کو کشمیر کی وادیوں اور سیر گاہوں میں اپنی بگڑی ہوئی صحت کو بنانے کے لئے غنیمت سمجھا۔ اور کشمیر کا رُخ کیا۔ چنانچہ یکم اگست ۱۹۴۵ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، خان عبدالغفار خان۔ خان عبدالصمد خان اچک زئی وغیرہ کشمیر آگئے اور سوپور کی کانفرنس میں شرکت سے پہلے وادی کی حسین جمیل گھاٹیوں اور سیر گاہوں میں آرام کے لئے روانہ ہوگئے۔ پنڈت جواہر لعل نہرو نے شیخ صاحب سے کہا کہ ''وہ اُس علاقے میں جانا چاہتے ہیں۔ جہاں گجر قبائل آباد ہوں چنانچہ فیصلہ ہوا کہ

---

[1] آتش چنار۔ سوانح عمری شیخ محمد عبداللہ

پنڈت جی وانگت گھاٹی میں جائیں گے۔ اور وہاں واقع عظیم درگاہ لار شریف پر حاضری دیں گے۔ اور پھر گنگا بل جھیل اور سونمرگ تک کوہ پیمائی کریں گے۔'' اس قافلے کی مہمان نوازی کے لئے شیخ صاحب نے میاں نظام الدینؒ سے رابطہ کیا۔ چنانچہ امیر القوم نے مہمانوں کے ٹھہرنے اور سفر کا سارا انتظام اپنے ذمہ لے لیا میاں بشیر احمد صاحب نے ایک گفتگو میں بتایا کہ ''اگست کے مہینے میں وانگت کی بالائی پہاڑی چراگاہیں گجر بکروال اور دوسری برادریوں سے آباد ہوتی ہیں۔ اور پونچھ راجوری اور کشمیر کے ہزاروں قبائل اپنے عیال اور ریوڑوں کے ساتھ موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے حضرت میاں نظام الدینؒ کے حکم پر چراگاہوں سے سب لوگ گھوڑے لے کر آگئے۔ دیگر انتظام بخشی غلام محمد اور میرے سپرد ہوا۔'' پنڈت جواہر لعل نہرو حفیظ جالندھری شیخ محمد عبداللہ، جانکی ناتھ زتشی اور دیگر مہمان گاڑی میں کنگن تک آئے جہاں پانچ سو گھوڑوں پر شہ سوار دستہ اُن کے استقبال کے لئے آیا ہوا تھا۔ پھر کنگن سے گھوڑوں پر سوار مہمانوں کا قافلہ دربار لار پہنچا۔ جہاں امیر القوم نے مہمانوں کی دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔'' پنڈت جواہر لعل نہرو و شیخ محمد عبداللہ کے ہمراہ پہلے زیارت شریف پر گئے حاضری کی سعادت نصیب ہوئی عظیم ولی کی روحانی عظمت سے روشناس ہوئے۔ پھر ایک آراستہ مہمان خانے میں آئے کھانا تناول کیا۔ اور پھر حضرت امیر القوم سے گجر قبائل اُن کی طرز زندگی اور اُن کے مسائل کے بارے میں دریافت کیا۔ اس بالمشافہ ملاقات میں پنڈت جواہر لعل نہرو میاں نظام الدینؒ کی روحانی شخصیت اور سیاسی بصیرت اور ان کی قبائلی طرز زندگی سے نہایت متاثر ہوئے اور دونوں کے درمیان ایسی دوستی اور رفاقت قائم ہوئی جو ایک عرصے تک جاری رہی۔ دربار شریف پر کھانا کھانے کے بعد مہمانوں کا قافلہ وانگت گاؤں میں ہی واقع نارائن ناگ کی طرف روانہ ہوا جہاں موصوف نے رات کو قیام کرنے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ دوسرے دن صبح شہرہ آفاق نارا ناگ چشمے اور آثار قدیمہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ قافلہ کوہ پیمائی کے لیے گنگا بل جھیل کی جانب روانہ ہوا کوہ ہرمکھ کی بلائی پہاڑی چوٹیوں کا نظارہ اور گنگا بل جھیل کی یاترا کرنے کے بعد پنڈت جواہر لعل نہرو نے رات گنگا بل میں ہی قیام کیا دوسرے دن پھر واپس ناگا ناگ اور وانگت سے ہوتے ہوئے کنگن پہنچے جہاں سے اُنہیں سوپور میں نیشنل کانفرنس کے اجلاس میں شامل ہونے کے لیے الوداع کیا گیا میاں نظام الدینؒ کا شیخ محمد عبداللہ کے اصرار پر موصوف کا پنڈت جی اور دیگر مہمانوں کا خیر مقدم کرنا اور انتظام کرانا دونوں رہنماؤں کے درمیان دوستی اور احترام کے جذبوں کی عکاسی کرتا ہے۔

محترمہ اندرا گاندھی کا دورہ وانگت اور گنگا بل[1]

وانگت گھاٹی دربار شریف اور گنگا بل کے دورے کے بعد پنڈت جواہر لعل دہلی پہنچے تو یہاں فطرت کی خوبصورتی روحانی ماحول اور قبائلی طرز زندگی سے نہایت متاثر تھے اور انھوں نے اپنی بیٹی اندرا جی اور داماد فیروز گاندھی کو اس علاقے کی سیاحت کی ترغیب دی۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد ۱۹۴۵ء میں ہی محترمہ اندرا گاندھی اپنے سرتاج فیروز گاندھی کے ساتھ وانگت آئیں اور یہاں ایک ہفتہ قیام کیا۔ وہ گنگا بل بھی گئیں موصوف سے ملنے اور زیارت پر حاضری دینے بھی آئیں۔ محترمہ حضرت میاں نظام الدینؒ کی روحانیت اور عوامی مقبولیت سے بے حد متاثر ہو کر واپس گئیں۔

۱۹۴۷ء میں پرجا سبھا کا انتخاب اور حضرت میاں نظام الدینؒ کا ممبر نامزد ہونا[2]

۲۸-نومبر ۱۹۴۶ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے شاہی فرمان کے تحت پرجا سبھا کو تحلیل کر دیا اور ۳ر۲ جنوری ۱۹۴۷ء کو نئے چناؤ کرانے کا اعلان کیا۔ اُس وقت پرجا سبھا کی ۷۵ سیٹیں ہوا کرتی تھیں جن میں سے ۴۰ سیٹوں پر انتخاب ہوتے تھے اور ۳۵ سیٹوں پر ممبران کو نامزد کیا جاتا تھا۔ نامزد ممبران، دانشوروں برگزیدہ شخصیتوں، پچھڑے ہوئے طبقوں اقلیتوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے تھے۔ جنھیں کسی خاص شعبے میں اُن کی اعلیٰ کارکردگی کو مدنظر رکھ کر نامزد کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پچھڑے ہوئے طبقوں کی نمائندگی اور عوام میں دربار لار شریف ہر طرح کی مقبولیت کا اعتراف کرتے ہوئے دربارِ عالیہ کے سجادہ نشین حضرت میاں نظام الدینؒ کو پرجا سبھا کے لئے امیدوار نامزد کیا گیا۔ یہ نامزدگی یکم مارچ ۱۹۴۷ء میں وزیر اعظم رام چند کاک کے دستخطوں سے اور مہاراجہ ہری سنگھ کی ہدایت اور منظوری

[1] حضرت میاں بشیر احمد (۲) میاں جنید نظامی (۳) اقبال عظیم [2] تحریک حریت کشمیر (۳۹-۱۹۴۶) تحریر رشید تاثر صفحہ ۱۴۴ تا ۱۵۲

سے زیر دفعہ جموں وکشمیر آئین ایکٹ ۱۹۹۶ء بکرمی سیکشن (۱۴) کے تحت عمل میں آئی اور حضرت میاں نظام الدینؒ کے اصرار پر پیر خانہ دربار کلیاں شریف درادہ مظفر آباد کے سجادہ نشین مرزا میاں عبدالرشیدؒ کو بھی اُن کی دینی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پرجا سبھا کا ممبر نامزد کیا گیا۔ ریاست کے پہاڑی علاقوں میں آباد لوگوں کو ان نامزدگیوں سے بڑی راحت ملی اور گاؤں میں مجالس منعقد کر کے لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا۔

۱۹۴۷ء میں حلقہ انتخاب مینڈھر میں تنازعہ اور میاں بشیر احمد کا مثبت رول[1]

۳-جنوری ۱۹۴۷ء کو چناؤ ہونے کی تاریخ کے اعلان کے ساتھ ہی ریاست میں چناؤ مہم شروع ہوگئی۔ میاں نظام الدینؒ اُس وقت گوجر جاٹ کانفرنس کے صدر تھے۔ حضرت نے اس جماعت کے دروازے سب قوموں کے لئے بھی کُھلے رکھے ہوئے تھے۔ اور آپ کی زبردست کوشش تھی کہ جماعت کو برادریوں کے تضاد سے بالاتر رکھا جائے اسی سوچ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسے اُمیدواروں کو ٹکٹ دیا گیا جو سب کے لئے قابل قبول تھے۔
مینڈھر حلقہ انتخاب سے چودھری غلام حسین لسانوی کو ٹکٹ ملا اُن کے مدِ مقابل راجپوت برادری کے چنڈک کے سردار یار محمد خان بارایٹ لا کو مُسلم کانفرنس کا ٹکٹ ملا تھا۔ دونوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا۔ اور زوردار مہم چلائی گئی۔ لیکن اس چناؤ میں مسلم کانفرنس کے امیدوار سردار یار محمد خان کو جیت حاصل ہوئی جب کہ چودھری غلام حسین لسانوی کچھ ووٹوں سے بچھڑ گئے۔ چودھری صاحب کو یقین تھا کہ یہ چناؤ دھاندلی کر کے جیتے گئے ہیں اس لئے اُنھوں نے اس چناؤ کے خلاف رِٹ دائر کر دی اور شنوائی شروع ہوگئی۔ اس شنوائی کے ساتھ ہی علاقہ پونچھ میں برادریوں میں تلخی بڑھنے لگی۔ اور کئی جگہ امن وقانون کا مسئلہ پیدا ہوا۔ جس کی وجہ سے حکومت کو تشویش لاحق ہوئی۔
۲-اپریل ۱۹۴۷ء میں دربار کلیاں کے سجادہ نشین مرزا عبدالرشیدؒ لاہ تشریف لائے اور پھر سرینگر آگئے بشیر احمد صاحب بھی حضرت کے ساتھ سرینگر آئے اور پھر وزیر اعظم رام چند کاک کی دعوت پر حضرت مرزا صاحبؒ

[1] حضرت میاں بشیر احمد

اُن سے ملنے سنوَارڈ ڈلکیٹ تشریف لے گئے تو میاں بشیر احمد صاحب بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ رام چند کاک اور اُن کی اہلیہ محترمہ نے حضرت قبلہ مرزا صاحب ؒ کا بڑے احترام کے ساتھ خیر مقدم کیا اور کشمیری قہوہ پیش کیا۔ گفتگو کے دوران کاک صاحب نے ایک دوبار حضرت میاں بشیر صاحب کی طرف دیکھا تو حضرت مرزا عبدالرشید ؒ نے تعارف کرایا کہ ''یہ حضرت میاں نظام الدین ؒ کے فرزندِ اکبر میاں بشیر احمد ہیں۔ اور ان کی شادی ریاست پونچھ کے سرافراز چودھری غلام حسین لسانوی کے گھر ہوئی ہے۔'' رام چند کاک نے کہا کہ '' آپ اس نوجوان کو ہمیں دے دیں۔ کیونکہ ریاست کے عوامی تناظر میں ان کا اہم رول بنتا ہے۔'' مرزا صاحب ؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''ابھی تو یہ درگاہ عالیہ کے معاملات میں مصروف ہیں۔'' پھر کاک صاحب نے کہا کہ ''پونچھ کے حالات بڑے نازک ہیں۔ چودھری غلام حسین لسانوی اور سردار یار محمد خان کے درمیان سیاسی تنازعہ عدالت میں ہے۔ اور کچھ دنوں میں فیصلہ ہونے والا ہے۔ فیصلے کے بعد برادریوں کے درمیان جھگڑے کا اندیشہ ہے اگر صاحبزادے میاں بشیر احمد اس وقت پونچھ تشریف لے جائیں تو حالات کو خوشگوار رکھنے میں بڑی مدد ملے گی اور یہ برادریوں میں دوستانہ ماحول پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے تھے۔'' حضرت مرزا صاحب ؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''دربار کنیاں شریف اور دربارِ علیہ باباجی صاحب ؒ کے سجادہ نشینوں نے ہمیشہ برادریوں کے تضاد سے اوپر اُٹھ کر عوام کو روحانیت سے سرفراز کیا ہے اس لئے صاحبزادے میاں بشیر احمد صاحب یقیناً پونچھ کی گجر اور دیگر برادریوں میں بہتر دوستانہ ماحول پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ طے پایا کہ میاں بشیر احمد پونچھ جائیں گے۔ اُن دنوں سرینگر سے پونچھ براستہ اُوڑی حاجی پیر سڑک گاڑیوں کی آمدرفت شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ میاں صاحب اوڑی کے راستے پونچھ تشریف لائے۔ اور فیصلہ کی تاریخ کے دن وزیرِ وزارت بھیم سین کی عدالت میں آ گئے اُس وقت وزیر وزارت کے دفتر کے باہر فیصلہ سُننے کے لئے ہزاروں لوگ جمع ہو چکے تھے۔ مُسلم کانفرنس کے رہنما سردار یار محمد اور گوجر جاٹ کانفرنس کے چودھری غلام حسین لسانوی کے حامیوں میں زبردست تناؤ اور تلخی تھی لیکن دونوں طرف دربار لار کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد شامل تھی جو میاں بشیر احمد صاحب کو دیکھ کر آگے بڑھے اور اُن کا استقبال کرتے ہوئے آپس میں گھل مل گئے۔ اِس طرح عوامی تناؤ اور غصے میں بڑی حد تک کمی آ گئی۔

پھر وزیر بھیم سین نے فیصلہ سُنایا جس میں چودھری غلام حسین لسانوی کی اپیل منظور کر لی گئی تھی۔ اور

سردار یار محمد کا چناؤ رَدّ کر دیا گیا تھا۔ فیصلے کے بعد حضرت میاں بشیر احمد لاروی، چودھری غلام حسین لسانوی کے ساتھ عدالت سے باہر آئے تو لوگوں نے میاں صاحب کو گھیر لیا ایک طرف راجپوت تھے ایک طرف گجر تھے جو غیر گجر لسانوی صاحب کے ساتھ تھے اُن کے حوصلے بڑھ گئے اور کھُل کر سامنے آ گئے چنانچہ دونوں برادریوں کے ہر افراد نے میاں صاحب کو کاندھوں پر اُٹھا لیا اور جلوس کی صورت میں وزیر وزارت کے دفتر سے پریڈ گراونڈ پونچھ لے گئے جہاں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں تمام برادریوں کے لوگ شامل ہوئے مولوی عبدالرحمان صاحب ٹاٹ (پونچھ) والے اور میاں بشیر احمد صاحب نے لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور اُنھیں پُرامن طریقے سے اپنے گاؤں میں واپس جانے کے لئے کہا اور دونوں برادریوں سے آپسی میل ملاپ اور یگانگت بنائے رکھنے کی اپیل کی۔

مئی ۱۹۴۷ء میں حضرت میاں نظام الدین کا گوجر جاٹ کانفرنس سے گریز

حضرت[1] میاں نظام الدینؒ بنیادی طور پر ایک صوفی درویش مرد قلندر اور ولی اللہ تھے آپ نے اپنی زندگی انسانیت کی بقا پچھڑے ہوئے قبائل اور دبے کُچلے لوگوں میں دین اور شریعت کی تبلیغ کے لئے وقف کی ہوئی تھی۔ جن کی اکثریت ناخواندہ تھی۔ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف راغب ہونے کے بجائے وہم اور توہمات میں مبتلا تھے اور نہایت غربت کا شکار تھے جن کے لئے صاحب موصوف نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا تھا۔ سیاست کے ساتھ آپ کی دلچسپی اس حد تک محدود تھی کہ جس حد تک وہ اپنے لوگوں کی خدمت کر سکیں اور انہیں عزت کی زندگی دلا سکیں اگر چہ وہ گوجر جاٹ کانفرنس کے صدر اور امیر القوم تھے لیکن اس جماعت کے دروازے آپ نے پہاڑوں میں آباد دیگر لوگوں کے لئے بھی کُھلے رکھے ہوئے تھے۔

مئی ۱۹۴۷ء میں جب دربار سرینگر سے جموں منتقل ہوا تو رُکن پرجا سبھا حضرت میاں نظام الدینؒ اور مرزا عبدالرشید صاحبؒ بھی جموں آ گئے اور اکٹھے قیام کرنے لگے۔ دربار جموں آنے کے باعث سیاسی رہنماؤں نے بھی جموں آنا شروع کیا اور تاج ہوٹل جموں میں اُن کے درمیان سیاسی داؤ پیچوں پر تبادلہ خیال ہونے لگا۔[2] ان

[1] میاں بشیر احمد لاروی...... [2] چودھری اقبال عظیم

رہنماؤں کے اصرار پر موصوف نے گوجر جاٹ کانفرنس کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ تاج ہوٹل میں ہی رکھی جس میں مولانا مہرالدین قمرؔ، چودھری دیوان علی، محمد اسرائیل کھٹانہ، چودھری غلام حسین لسانویؔ، میاں محمد اکبر اور میاں لعل الدین شامل ہونے کے لئے آئے وقت مقررہ پر حضرت میاں نظام الدین ؒ میٹنگ میں جانے کے لئے تیار ہوئے تو حضرت میاں مرزا صاحب ؒ نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں۔'' آپ ؒ نے وجہ بتائی'' تو مرزا صاحب نے فرمایا'' کہ میں بھی چلتا ہوں اسی بہانے پرانے دوستوں سے ملاقات ہو جائے گی۔

چنانچہ آپ اور حضرت مرزا عبدالرشید ؒ[35] اکٹھے تاج ہوٹل میں تشریف لائے اور اجلاس والے کمرے میں چلے گئے جہاں گجر برادری کے بہت سے رہنما موجود تھے اجلاس شروع ہونے لگا تو چودھری لسانوی صاحب نے حضرت مرزا عبدالرشید ؒ کو مشورہ دیا کہ ''یہ برادری کی میٹنگ ہے اس لئے آپ تھوڑی دیر کے لئے دوسرے کمرہ میں آرام فرمائیں۔'' یہ سُن کر قبلہ مرزا صاحب میٹنگ سے جانے لگے تو اُن کے ساتھ میاں نظام الدین ؒ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ''جس جماعت میں میرے پیرخانہ کے لئے جگہ نہیں اُس جگہ میرا بیٹھنا مناسب نہیں۔'' یہ کہہ کر آپ ؒ باہر آ گئے اور آپ کے ساتھ مولانا مہرالدین قمرؔ میاں محمد اکبر اور دوسرے رہنما بھی میٹنگ سے چلے گئے۔ اُس کے بعد حاجی محمد اسرائیل کھٹانہ کو گجر جاٹ کانفرنس کا صدر چُن لیا گیا لیکن گوجر جاٹ کانفرنس سے موصوف کی دوری کے ساتھ ہی اس جماعت کا مستقبل تاریکیوں اور مایوسیوں میں ڈوب گیا۔ اس جماعت سے لوگوں کی دلچسپی جاتی رہی اُس کے بعد اس جماعت کا کوئی اجلاس نہ ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے واقعات کے باعث گوجر جاٹ کانفرنس کے رہنماؤں کا شیرازہ بکھر گیا۔ بہت سے سرحد کے اُس پار چلے گئے جو یہاں تھے وہ مایوسیوں کا شکار ہو گئے آپسی اختلاف کے باعث موصوف کا جماعت کی ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ سے اُٹھ کر چلے جانا اِس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اُن کی سوچ کے مطابق گجر جاٹ جماعت کسی ایک فرقے یا قبیلے کی جماعت نہ تھی بلکہ پہاڑوں میں رہنے والے تمام لوگوں کی نمائندہ جماعت تھی اور اِس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے تھے۔

---

[35] مرزا عبدالرشید صاحب ؒ دربار کنیاں شریف کے سجادہ نشین تھے بڑی پُروقار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کو شیر کرناہ کے طور پر بھی جانا جاتا تھا۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کو نیشنل کانفرنس میں شمولیت کی دعوت

اگرچہ میاں نظام الدینؒ نے گوجر جاٹ کانفرنس سے دُوری اختیار کر لی تھی لیکن آپ کو پہاڑی علاقوں میں آباد عقیدتمندوں شدائیوں اور وقت کی دوڑ سے پچھڑے ہوئے لوگوں کے مسائل اُن کی غربت اور پسماندگی دُور کرنے کی فکر شِدت کے ساتھ دامن گیر تھی اپنے لوگ موصوف کو ولی اللہ کے علاوہ دنیاوی رہبر بھی سمجھتے تھے اور آپؒ اس ذمہ داری سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے تھے۔ جب نیشنل کانفرنس کے رہنماؤں نے دیکھا کہ موصوف کی گوجر جاٹ کانفرنس سے دلچسپی جاتی رہی ہے تو آپ کو نیشنل کانفرنس میں لانے کی کوشش شروع ہوگئیں کیونکہ شیخ محمد عبداللہ کی بڑی خواہش تھی کہ آپ اُن کے ساتھ مل کر عوام کی نمائندگی کریں چنانچہ شیخ صاحب نے اپنی پارٹی کے جنرل سیکریٹری مولانا محمد سعید مسعودی صاحب کو یہ کام سونپا۔ مولانا مسعودی دربار کنیاں شریف کے خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے فرزندِ اکبر اور سجادہ نشین حضرت میاں طٰسین صاحبؒ کے دستِ شفقت پہ بیعت تھے اور دربار عالیہ کے خادموں میں شمار ہوتے تھے اور سلسلہ نقشبندیہ سے بھی جُڑے ہوئے تھے۔ دوسری جانب مسعودی حضرت باباجی صاحب کے عقیدتمندوں میں سے تھے اور میاں نظام الدینؒ کے روحانی مرتبے کا بڑا احترام کرتے تھے۔ مولانا مسعودی صاحب نیشنل کانفرنس کو وادی کشمیر سے وسعت دے کر پہاڑی علاقوں میں آباد قبائل اور دوسری برادریوں کے لوگوں تک پھیلانا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان علاقوں میں رہنے والے تقریباً تمام لوگ حضرت میاں نظام الدینؒ کے مریدوں اور عقیدتمندوں میں شامل ہیں جو آپؒ کے لئے جان تک قربان کر سکتے ہیں۔ اس لئے اُن کے بغیر پہاڑی علاقوں میں نیشنل کانفرنس کا پودا پنپ نہ سکے گا چنانچہ مسعودی صاحب نے مشورہ دیا کہ نیشنل کانفرنس میں شرکت کر کے آپ بہتر طور سے اپنے لوگوں کی رہنمائی اور سرپرستی کر سکتے ہیں۔
مولانا مسعودی صاحب نے حضرت میاں صاحب کو دعوت دی کہ وہ پارٹی میں آئیں اور لوگوں کی نمائندگی کریں اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ "گوجر جاٹ کانفرنس کے اسٹیج پر اُٹھائے جانے والے تمام مدعے اور مسائل نیشنل کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کر لئے جائیں گے۔ اور پارٹی دبے کچلے غریب پسماندہ اور پچھڑے ہوئے طبقوں اور قبائل

کو برابری کے حقوق دلانے کی وعدہ بند ہے۔" اُس زمانہ میں پورے پہاڑی خطہ میں آباد تمام لوگ حضرت میاں نظام الدین لاروی کو اپنا پیر و مرشد مانتے تھے۔

اس تناظر میں حضرت میاں نظام الدینؒ نے رفقاء کار سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ نیشنل کانفرنس کا ساتھ دیا جائے اور اس پارٹی کے اسٹیج سے اپنے لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے آواز اٹھائی جائے لیکن اسی دوران ۱۹۴۷ء کے واقعات ہو گئے اور آپؒ کشمیر کی لڑائی میں تباہ و برباد ہونے والے گجر بکر وال قبائل و پہاڑی بولنے والے لوگوں کا اعتماد بحال کرنے اُنھیں از سرِ نو بسانے اور اُن کا تحفظ کرنے میں مشغول ہو گئے۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کے سینے میں ۱۹۴۷ء کے واقعات کا گہرا گھاؤ

۱۹۴۷ء میں آزادی ملنے کے ساتھ ہی مُلک دو حصوں یعنی بھارت اور پاکستان میں بٹ گیا۔ لیکن کشمیر ایک متنازعہ خطہ کی صورت میں اُبھرا۔ کیونکہ آزادی کے وقت ہندوستان کی ہر ریاست کو بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے کہا گیا تھا۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو دونوں میں سے کسی ملک کے ساتھ الحاق نہ کیا وہ دونوں ملکوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اسی دوران پاکستانی فوج کے میجر جنرل اکبر خان نے صوبہ سرحد کے قبائلیوں ریاست پونچھ کے باغیوں اور پاکستانی فوجی آفسروں کی نگرانی میں ریاست جموں و کشمیر میں اپریشن گلمرگ شروع کیا۔ اور ریاست کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا اور ۲۵/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پلندری پونچھ میں سردار ابرہیم خان نے "آزاد حکومت کا اعلان کیا۔ اِن حالات میں مہاراجہ ہری سنگھ نے ۲۶/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کا ہندوستان کے ساتھ الحاق کیا اور ۲۷/اکتوبر کو بھارتی فوجیں ریاست میں آئیں۔ پھر ۱۴/ماہ تک کشمیر کی لڑائی جاری رہی اور یو۔این۔او کی مداخلت پر پہلی جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بندی نافذ ہوئی اور دونوں طرف کی

1.The Radiers in Kashmir by Maj.gen.Akbar khan

2. Kashmir DispUte by Aluster lamb 3.Kashmir -1947 byP-S -Jha

فوجیں جہاں پر تھیں وہی حدِ متارکہ کہلائی۔ اس حدِ متارکہ کا سب سے زیادہ نقصان پہاڑی علاقوں میں آباد گجر بکروال قبائل اور پہاڑی طبقہ کے لوگوں کو ہوا۔ میرپور اور بھمبر، راجوری سے الگ ہو گئے ریاست پونچھ کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ مظفرآباد گڑھی دوپٹہ حدِ متارکہ کے اُس پار رہ گئے جبکہ کرناہ، اُوڑی اور تلیل عین سرحد پر آ گئے یہی وہ علاقے تھے جہاں بابا جی صاحبؒ اور خواجہ نظام الدین کیانویؒ کے عقیدت منداور ماننے والے رہتے تھے یہ لوگ کشمیر کی لڑائی کا مہرہ بن گئے۔

پیر پنجال کے پہاڑوں شہروں اور گاؤں سے خون رسنے لگا۔ لوگ مار کاٹ افراتفری اور تشدد کا شکار ہو گئے۔ پونچھ اور راجوری میں خاندان کے خاندان تباہ ہو گئے۔ ہزاروں جانیں تلف ہو گئیں۔ مکان نذرِ آتش ہو گئے اور لوگ آر پار ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس ہجرت کے باعث باپ بیٹے سے بچھڑ گیا۔ بھائی بھائی سے جُدا ہو گیا اور بیچ میں آگ اور خون کی لکیر کھینچ گئی۔ کشمیر کی اس تقسیم کا حضرت[ملاحظہ] میاں نظام الدینؒ کو زبردست رنج و ملال تھا۔ کیوں کہ دربار عالیہ سے وابستہ عقیدتمندوں کی بڑی تعداد حد متارکہ کے اُس پار رہ گئی تھی۔ اور اس طرف کے چاہنے والوں کی بہت بڑی تعداد ہجرت کر کے سرحد کے اُس پار چلی گئی تھی جو اس طرف تھے اُن کے گھر اُجڑ چکے تھے اور وہ نہایت کسمپرسی کی حالت میں تھے دوسری جانب حضرت میاں نظام لاروی کا پیر خانہ دربار کنیاں شریف حدِ متارکہ کے اُس پار رہ گیا تھا اور بابا جی صاحبؒ کا آبائی وطن ننجوڑ ؒ ضلع ہزارہ بھی پاکستان میں چلا گیا تھا۔ جس کی جُدائی کا رنج اور صدمہ اُنھیں ہر دم ستا رہا تھا۔ اس کے علاوہ بابا جی صاحبؒ کے خلیفہ اوّل

ملاحظہ کشمیر کی پہلی لڑائی کے دوران حضرت میاں نظام الدین لارویؒ وادی کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں آباد گجر بکروال قبائل اور پہاڑی طبقوں کے لوگوں کی ہجرت کو روکنے میں کامیاب رہے تھے۔ آپؒ نے اپنے طور پر مریدوں کی ایک رضا کار فوج تیار کی تھی جو اپنے لوگوں کو تحفظ فراہم کرتی تھی۔ آپؒ نے اس فوج کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر اُس آدمی کی حفاظت کرے جو مُشکل میں ہو۔ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ اس طرح کشمیر میں بہت سے ہندو خاندانوں کو بھی مشکل دور میں تحفظ ملا۔ چونکہ وادی کشمیر کے پہاڑی علاقوں میں آباد غیر کشمیری لوگ دربار لار (وانگت) سے وابستہ تھے اور اُن کے مرشد وادی میں ہی مقیم تھے۔ اس لئے ان لوگوں نے کشمیر سے ہجرت کرنے کے بجائے اپنے پیر خانہ کے ساتھ وادی میں ہی رہنا مناسب سمجھا یہی وجہ تھی کہ وادی سے بہت کم ہجرت ہوئی۔

حضرت سید نوران شاہؒ بھی ہجرت کر چکے تھے گوجر جاٹ کانفرنس کے بانیوں میں مولانا مہرالدین قمرؔ، چودھری دیوان علی، اور لسانہ کے چودھری غلام حسین لسانوی بھی حدِ متارکہ کے اُس پار چلے گئے تھے اب یہ ایک دوسرے کو دیکھنے کے لئے ترس رہے تھے۔ پونچھ اور راجوری میں صوفی شعرا کا وہ قافلہ جس کی رہنمائی حضرت صاحب کر رہے تھے حالات وواقعات کے پیشِ نظر تتر بتر ہو چکا تھا برِصغیر کے شعرآفاق شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری جو حضرت صاحب کے گہرے دوستوں میں سے تھے اور جنھیں باباصاحب سے والہانہ عقیدت تھی وہ بھی تقسیم وطن کے دوران اُن سے جدا ہو چکے تھے۔ ان حالات کا حضرت میاں نظام الدینؒ کے ذہن پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ ان سے بچھڑنے کا غم ایک گھاؤ بن کر اُن کے سینے میں بسنے لگا۔

سرہند کے سجادہ نشین خلیفہ محمد حسین صاحبؒ کی خاندان کے ساتھ وانگت میں آمد

۱۹۴۸ء میں ریاست جموں وکشمیر کے وزیراعظم بننے کے بعد جب شیخ محمد عبداللہ سرہند شریف حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد والف ثانیؒ کے روضہ اقدس پر حاضر ہونے کے لئے گئے لیکن اُس وقت پنجاب کے حالات نہایت کشیدہ تھے قتل وغارت جاری تھی۔ سرہند شریف روضہ اقدس پر بھی حملے ہو چکے تھے اور درگاہ کے متعلقین کی جان مال خطرے میں تھا۔ شیخ صاحب نے پنجاب کے اس تناظر کو مدنظر رکھتے ہوئے اور حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے درگاہ کے خلیفہ محمد حسینؒ کو کچھ عرصہ کے لئے عیال کے ساتھ کشمیر آجانے کی دعوت دی۔ اور سجادہ نشین کو یقین دلایا کہ وہ درگاہ شریف کے معاملہ کو مرکزی وریاستی سرکار سے اُٹھائیں گے۔ اور حفاظت کا بندوبست کراویں گے۔ شیخ صاحب کے واپس آنے کے چند دنوں بعد خلیفہ محمد حسین صاحبؒ اپنے تمام خاندان کے ساتھ سرینگر آگئے صرف ایک پہلوان باباجو زیارت کا کنجی بردار تھا نگہبانی کے لئے چھوڑ آئے۔ جب یہ پچاس کے قریب آدمی شیخ صاحب کی

کوٹھی پر پہنچے تو شیخ صاحب نے کہا میں نے تو ایک دو آدمیوں کو آنے کے لئے کہا تھا۔ اِتنے آدمیوں کا انتظام کیسے ہوگا ان حالات میں شیخ صاحب نے کہا کہ حضرت میاں نظام الدین ؒ کو ان کی آمد کی اطلاع دی جائے۔ چنانچہ رات کے وقت دو آدمی وانگت پہنچے موصوف نے سرہند شریف کے مہمانوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی میاں بشیر احمد صاحب کو بُلایا اور کہا کہ "بشیر سرہند شریف کی خدمت ہمارے ذمہ ہے آئندہ مجھے اس بارے میں کوئی شکایت نہیں آنی چاہیے۔"

میاں بشیر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "آپ کے پاس ذرائع بھی محدود تھے اس کے باوجود یہ ذمہ داری لے لی اور مہمانوں کو لینے کے لئے سرینگر چلے گئے۔ حضرت محمد حسین صاحب ؒ بزرگ تھے وانگت تک سڑک نہ تھی۔ کچپارہ سے آگے پیدل یا گھوڑے کا سفر تھا اس لئے مہمانوں کو زیارت شریف تک آنے میں مشکلات پیش آئیں۔ پھر کچھ عرصہ تک مہمانوں نے یہاں زیارت شریف پر ہی قیام کیا سرد موسم کا آغاز ہوا تو اِن کا وانگت میں رہنا مشکل ہوگیا اِس اثنا میں پنجاب میں حالات بہتر ہوگئے تو خلیفہ صاحب نے واپس وطن جانے کی خواہش ظاہر کی اُنھیں بڑے احترام اور عزت کے ساتھ تحفے تحائف دے کر رخصت کیا گیا" وانگت میں سرہند شریف کے مہمانوں کی خدمت اور دیکھ ریکھ کا سارا انتظام میاں بشیر احمد صاحب نے انجام دیا۔ پھر موصوف اور میاں بشیر احمد صاحب سرہند شریف تشریف لے گئے تا کہ درگاہ کے ساتھ وابستہ لوگوں کا اعتماد بحال کیا جا سکے[1]۔

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد

۱۹۴۸ء میں وزیرِاعظم ہند جواہر لعل نہرو کی دعوت پر حضرت میاں نظام الدینؒ کی دہلی میں تشریف آوری

۱۹۴۸ء میں جب کشمیر میں لڑائی جاری تھی اور لوگ تشدد اور قتل و غارت کا شکار تھے اور ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ بھی زیادتیاں ہو رہی تھیں۔ کئی خاندان پاکستان چلے گئے تھے۔ درگائیں اور عبادت گاہیں سنسان ہو چکی تھیں اور مسلمان نہایت ڈر اور خوف کے ماحول سے گزر رہے تھے۔ پاکستان سے آنے والے شرنارتھیوں نے ہجرت کرنے والے خاندانوں کے گھروں پر قبضہ کرنے کے علاوہ بہت سی عبادت گاہوں اور درگاہوں میں بھی پناہ لے لی تھی جس کے باعث حکومت ہند کو بڑی تشویش اور پریشانی کا سامنا تھا۔ چنانچہ وزیرِاعظم ہند پنڈت جواہر لعل نہرو نے ہندوستان کے مسلم رہنماؤں، دانشوروں اور مذہبی پیشواؤں کا ایک اجلاس طلب کیا تا کہ اُن کے مشورہ اور تعاون سے اقدامات اُٹھائے جائیں اس اجلاس میں شرکت کے لئے کشمیر سے بھی ایک وفد کو دعوت دی گئی جس میں حضرت میاں نظام الدین لاروئیؒ، مولانا محمد سعید مسعودی، بیگم شیخ محمد عبداللہ اور میر پور کے چودھری محمد شفیع شامل تھے۔[1]

دوسرے دن اجلاس شروع ہوا تو وزیرِاعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے حضرت حاجی بابا صاحب کا بڑے ادب اور احترام کے ساتھ استقبال کیا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیرِاعظم نے کہا کہ "ہندوستان کے کئی علاقوں اور شہروں میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں شرنارتھی پناہ لیے ہوئے ہیں۔ اور کئی علاقوں میں مسلمان اقلیت اپنے آپ کو خوف زدہ اور تنہا محسوس کر رہی ہے۔ اس لئے مسلمان رہنماؤں دانشوروں اور مذہبی پیشواؤں کو چاہئے کہ وہ عام مسلمانوں سے رابطے کر کے اعتماد بحال کرنے میں مدد دیں اور عبادت گاہوں کو آزاد کرانے میں

[1] حضرت میاں جنید نظامی جو حضرت موصوف کے صاحبزادے ہیں اور دہلی کے اس دورے میں آپؒ کے ہمرکاب تھے

حکومت کو تعاون دیں وزیر اعظم نے کہا کہ کشمیر کی لڑائی کے باعث وہاں بھی لوگ افراتفری کا شکار ہیں جن کی اعتماد سازی اور بعض آباد کاری میں حضرت میاں نظام الدینؒ جیسے مذہبی پیشوا معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لئے سب کو آگے آکر حکومت کی مدد کرنی چاہیے تاکہ ملک کے مسلمانوں کو راحت مل سکے۔

وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقات

وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو سے میٹنگ کے بعد موصوف پانچ پرتھوی راج کشمیر ہاؤس میں واپس تشریف لائے تو شام کے وقت وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے اپنے سیکریٹری اور اپنی بیٹی مُنّی بہن کو موصوف کے پاس بھیج کر دوسرے دن شام کی چائے پر مدعو کیا۔ دوسرے دن حضرت میاں نظام الدینؒ اپنے بیٹے جنید نظامی کے ساتھ سردار پٹیل کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے سردار ولبھ بھائی پٹیل نے صاحب موصوف کا بڑے پُرتپاک انداز میں خیر مقدم کیا۔ بغل گیر ہوئے اور اپنے ساتھ بیٹھایا۔ اُس وقت ہندوستان کے دوسرے حصوں یعنی گجرات راجستھان اور ہریانہ کے ہندو گجر لیڈروں کا ایک بڑا وفد بھی وہاں موجود تھا۔ سردار پٹیل نے اُن سے مخاطب ہو کے کہا کہ ''میاں نظام الدینؒ ریاست جموں وکشمیر کے روحانی اور سیاسی رہنما ہی نہیں بلکہ ہندوستان کی تمام گجر برادری کے رہنما روحانی پیشوا اور ہمارے قدیم تاریخی اور ثقافتی ورثے کی علامت ہیں۔'' چائے پارٹی کے دوران مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر راجندر پرشاد (جو ابھی صدر جمہوریہ نہ بنے تھے) بھی آگئے جن کے ساتھ موصوف کا تعارف کرایا گیا۔ چائے پارٹی کے بعد سردار پٹیل نے حاجی بابا صاحبؒ سے کہا۔ کہ ''کشمیر میں اس مشکل گھڑی میں آپ ہی وہ شخصیت ہیں۔ جو پہاڑوں میں بسنے والے لوگوں کی بعض آباد کاری کرنے اور ان کو تحفظ دلانے میں مدد کر سکتے ہیں۔ اور آپ کی روحانی عظمت وعوامی مقبولیت ڈر اور خوف میں مبتلا لوگوں کے اعتماد کو بحال کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ اور آپ کی کوششوں سے الگ تھلگ پڑے لوگوں کے دُکھ درد میں کمی اور اُن کو مصیبتوں سے راحت مل سکتی ہے۔'' پھر سردار پٹیل نے موصوف سے کہا کہ آپ کی روحانی شخصیت ہندوستان

کے مسلمانوں کے لئے بڑی کارآمد ثابت ہو سکتی ہے جو اس وقت مسائل اور مصائب میں مبتلا ہیں۔ سردار ولبھ بھائی پٹیل سے یہ میٹنگ بڑے خوشگوار ماحول میں ختم ہوئی۔[1]

تاریخ گجر گوجری زبان وادب کے مصنف چودھری رام پرشاد کھٹانہ نے اپنی کتاب میں صاحب موصوف کی سردار ولبھ بھائی پٹیل سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ جو ۱۴۔ جون ۱۹۶۹ء میں وانگت میں حاجی بابا صاحبؒ سے ملے تھے۔ اور حضرت صاحب نے ساتھ اس ملاقات کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا تھا۔

"سردار پٹیل نے میرے ساتھ سچے برادرانہ طور پر ملاقات کی تھی۔ وہ اپنی ساری زندگی میں اتنے نہیں ہنسے تھے۔ جتنے میرے ساتھ ڈیڑھ گھنٹے کی ملاقات میں خوش ہو کر رہتے تھے۔

وزیر داخلہ سردار ولبھ بھائی پٹیل کے استفسار پر حضرت صاحبؒ نے کچھ دن دہلی میں قیام کیا۔ اُس وقت حضرت بختیار کاکیؒ کی درگاہ میں پناہ گزین رہ رہے تھے۔ حاجی بابا صاحبؒ درگاہ شریف تشریف لے گئے اور شرنارتھیوں سے گفت وشنید کر کے انہیں درگاہ کا احاطہ خالی کرنے کے لئے قائل کر لیا اور اُن کے لئے متبادل رہائش کا انتظام کرا دیا۔ اور حضرت بختیار کاکیؒ کی درگاہ کا تقدس بحال ہو گیا۔ دہلی سے حضرت صاحبؒ پانی پت آئے اور وہاں کی سہمی ہوئی مسلمان اقلیت سے ملے اور ایک جلسے کو خطاب کر کے اُن کے حوصلے بلند کیے پانی پت سے آپ سرہند شریف زیارت پر تشریف لائے یہاں کے سجادہ نشین اور دوسرے لوگ جا چکے تھے صرف دو خدمت گار باقی تھے حضرت صاحبؒ نے درگاہ کو پھر سے بارونق بنانے اور متعلقین کو واپس لانے کے لئے اقدام اُٹھائے۔

سرہند شریف سے آپؒ سکھوں کی سب سے بڑی عبادت گاہ دربار صاحب امرتسر آئے۔ جہاں کارسیوا جاری تھی اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ بھی کارسیوا کے لئے آئے ہوئے تھے۔ آپؒ نے دربار صاحب میں داخل ہونے سے پہلے کارسیوا میں حصہ لیا اور ایک کڑاہی خود اُٹھا کر آگے بڑھے۔ اس اقدام کا سکھ برادری پر بہت اچھا اثر پڑا اور دربار صاحب کے گرنتھیوں نے آپ کا بڑے احترام کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے کہا کہ "دربار صاحب کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر نے رکھا تھا۔" اور آپ نے کارسیوا میں حصہ لے کر حضرت میاں میر کی یادوں کو تازہ کر دیا ہے۔ آپؒ نے دربار صاحب میں حاضری دی اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ سے ملاقات کر کے اُن کی

---

[1] تاریخ گجر گوجری زبان وادب مصنف چودھری رام پرشاد کھٹانہ،

توجہ سرہند شریف میں پیش آنے والے واقعات کی طرف مبذول کرائی وزیر اعلیٰ نے اس بارے میں ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔ دربار صاحب امرتسر میں حضرت صاحبؒ کی حاضری اس بات کی غماز ہے کہ وہ فرقوں میں تضاد کے بجائے دوستی اور دوسروں کے عقیدوں کے احترام میں یقین رکھتے تھے۔

۱۹۴۹ء میں حضرت میاں بشیر احمد کو باز آباد کاری افسر بنا کر پونچھ راجوری روانہ کرنا

۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو شیخ محمد عبداللہ نے ریاست جموں وکشمیر کے چیف ایگزیکیٹو کا منصب سنبھالا پھر ۱۰۔ مارچ ۱۹۴۸ء کو مہاراجہ ہری سنگھ کے ایک فرمان کے تحت ریاست کے وزیر اعظم بنے۔ ۱۹۴۸ء کا سال ریاست کے عوام کے لئے خون آشوب سال ثابت ہوا۔ اگر چہ وادی کشمیر کو قبائلیوں سے خالی کر لیا گیا تھا۔ لیکن پیر پنجال کے جنوب کے علاقوں یعنی پونچھ راجوری میں کشمیر کی لڑائی جاری تھی اور یہاں کے عوام دونوں طرف کی فوجوں کے تشدد کا نشانہ بن رہے تھے۔ گاؤں اور شہروں پر یلغاریں ہو رہی تھیں اور مار دھاڑ وساڑ پھونک جاری تھی۔ جب پہلی جنوری ۱۹۴۹ء کو جنگ بندی نافذ ہوئی تو حدِ متارکہ اُن پہاڑی خطوں کے درمیان قائم ہو گئی جہاں کی اکثریت گجر بکروال قبائل اور پہاڑی بولنے والے لوگوں پر مشتمل تھی۔ اس تقسیم نے لوگوں کے گھروں زمینوں کو ہی نہیں بانٹا بلکہ خاندان بھی بٹ گئے۔ اندرونی علاقوں میں فوج سے زیادتیاں سرزد ہو رہی تھیں۔ ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ آبادی کا ایک حصہ حدِ متارکہ کے اُس پار ہجرت کر رہا تھا۔ باقی لوگ جنگلوں میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ جو گاؤں میں موجود تھے۔ ڈر اور خوف میں مبتلا تھے اور وہ بھی ہجرت کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ریاستی انتظامیہ اور شیخ صاحب ان حالات سے نہایت فکر مند تھے اُنھوں نے علاقہ پونچھ راجوری کے عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لئے پہلے سردار بدھ سنگھ اور محی الدین ہمدانی کو روانہ کیا لیکن فوج نے ان کو نوشہرہ سے آگے نہ جانے دیا وہاں ہی روک لیا۔ اس لئے واپس آکر بدھ سنگھ نے شیخ صاحب کو رپورٹ دی اور بتایا کہ ''اگر کسی رہنما کو راجوری پونچھ نہ بھیجا گیا تو آبادی کا بڑا حصہ ہجرت کر جائے گا'' شیخ صاحب نے اس بارے میں اپنے رفقاء کار سے مشورہ کیا کہ لوگوں کی کیسے مدد کی جائے۔ انھیں صلاح دی گئی کہ اس معاملے میں درگاہ لار شریف کے سجادہ نشین

کی مدد کار آمد ثابت ہوسکتی ہے اور وہ ہجرت کو روک سکتے ہیں۔ کیونکہ علاقہ پونچھ راجوری کے عوام کی اکثریت اُن کے عقیدت مندوں میں شامل ہے۔

چنانچہ شیخ صاحب نے تحصیلدار گاندربل کو وانگت روانہ کر کے سجادہ نشین حضرت میاں نظام الدینؒ کو سرینگر آنے کی دعوت دی۔ حضرت صاحبؒ صاحبزادے میاں بشیر احمد صاحب کے ساتھ سرینگر آئے اور شیخ صاحب سے ملاقات کی شیخ صاحب نے اس مشکل وقت میں آپؒ سے مدد چاہی اور بتایا کہ "پونچھ راجوری کے ہر گاؤں میں صورت حال بڑی سنگین ہے۔ فوج کی طرف سے زیادتیاں ہورہی ہیں۔ لوگ ڈر خوف اور وسوسوں میں مبتلا ہیں۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں۔ کہ میاں بشیر احمد صاحب کو بعض آبادکاری آفیسر بنا کر پونچھ بھیجا جائے تاکہ گاؤں میں عوام کا اعتماد بحال ہوسکے اور جنگلوں میں پناہ گزین لوگ واپس اپنے گھروں میں آسکیں۔" حضرت صاحبؒ نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور میاں بشیر احمد صاحب پونچھ روانہ ہوئے۔

مندرجہ بالا تناظر میں میاں بشیر احمد براستہ درّہ پیر پنجال علاقہ پونچھ میں داخل ہوئے اور لسانہ پہنچے لسانہ میں چودھری غلام حسین لسانوی ہجرت کر کے حدِ متارکہ کے اُس پار جاچکے تھے اور اُن کے بنگلے میں ہندوستانی فوج نے اپنا ہیڈ کواٹر قائم کیا ہوا تھا جہاں بریگیڈیر کمانڈر قیام کرتا تھا۔ اور بنگلے کے آگے باغ میں فوجی کیمپ لگا ہوا تھا۔ عقیدت مند آپ کے آنے کی خبر سُن کر جنگلوں اور پہاڑوں سے واپس آنا شروع ہوگئے۔

پھر حضرت میاں صاحب گاؤں گئے عوام وانتظامیہ کے درمیان خلیج کو ختم کیا۔ لوگوں کو گھروں میں واپس بلایا۔ فوج کے کمانڈروں سے مل کر لوگوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی طرف توجہ دلائی اس طرح عوام میں اعتماد کی بحالی میں مدد ملی اور ہجرت کرنے کے بجائے لوگ اپنے گھروں میں واپس آکر معمول کی زندگی گزارنے لگے میاں بشیر صاحب کی کاوشوں اور عوامی رابطوں کے باعث دھیرے دھیرے حالات معمول پر آتے گئے ڈر اور خوف کے ماحول کو ختم کرنے میں مدد ملی اور عوام نے راحت کی سانس لی پھر ایک عرصے تک علاقہ پونچھ راجوری میں میاں بشیر صاحب نے لوگوں کی بعض آبادکاری کے عمل کو جاری رکھا[1]۔

---

[1] تحریک حریت کشمیر رشید تاثر...... میاں بشیر احمد ....میاں جنید نظامی

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کا پرگنہ لار کا ذیلدار بننا

۱۹۴۹ء کے آس پاس ریاستی حکومت نے مختلف علاقوں میں انتظامیہ کو فعال بنانے عوام کا اعتماد بحال کرنے اور امن قانون کی صورت حال میں بہتری لانے کے لئے مقامی شخصیتوں کو رُتبے اور منصب عطا کرنے شروع کیے تو علاقہ لار پرگنہ میں میاں بشیر احمد صاحب کو علاقے کا ذیلدار بنایا گیا۔ حضرت میاں صاحب نے بڑی نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ خدمت خلق انجام دینی شروع کی آپ ہر گاؤں میں گے عوام سے روابط بڑھانے لوگوں کے مسائل اور تکلیفوں کے ازالے کے لیے اقدامات کیے اُجڑے ہوئے اور ڈرے ہوئے لوگوں کو پھر سے بسایا اور پچھڑے طبقہ کے لوگوں کو درپیش مشکلات کو حل کرنے میں معاون ثابت ہوئے۔

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء میں حضرت میاں نظام الدینؒ کی خدمات[1]

۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۱ء کے دوران حضرت میاں نظام الدینؒ نے زیادہ تر وقت عبادت و ریاضت میں گزارا سیاسی طور پر موصوف نیشنل کانفرنس سے وابستہ ہو چکے تھے۔ حکومت تک آپؒ کی رسائی تھی اور شیخ صاحب سے ذاتی مراسم تھے۔ اس لئے جہاں بھی ضرورت ہوتی آپ اپنے لوگوں کے مسائل کو اُوپر کی سطح تک پہنچاتے اور اُن کو حل کرانے کی کوشش میں لگے رہے۔ یہ آپ کی کوششوں اور کاوشوں کا ہی صدقہ تھا کہ گھروں کو چھوڑ کر جنگلوں اور دور افتادہ علاقوں میں بکھرے ہوئے لوگ دوبارہ اپنے اپنے گاؤں اور گھروں میں واپس آنا شروع ہوئے۔ ہجرت کا سلسلہ رُک گیا اور پھر حدِ متعارکہ کے اُس پار چلے جانے والے خاندانوں سے بھی کچھ لوگوں نے واپس وطن آنا شروع کر دیا کیونکہ اُن کے پیر مُرشد کا ٹھکانا یہاں ہی تھا۔

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد

۱۹۵۱ء میں ریاست میں آئین ساز اسمبلی کے قیام کے موقعہ پر حضرت میاں نظام الدینؒ کی نظر اندازی

۱۹۵۱ء میں ریاست کا اپنا آئین نافذ ہوا اور پچھتر رُکنی آئین ساز اسمبلی وجود میں آئی میاں نظام الدینؒ کے شیخ صاحب کے ساتھ ذاتی تعلقات تھے اور جماعت کے سیکریٹری مولانا محمد سعید مسعودی کے ساتھ گہرے مراسم تھے جو انہیں پارٹی میں لائے تھے اس لئے صاحب موصوف نے اسمبلی کی ٹکٹ کے لئے نہ تو شیخ صاحب سے کہا اور نہ ہی دلچسپی دکھائی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب کنگن اسمبلی حلقہ کی نمائندگی کی بات ہوئی تو مشاورتی کمیٹی نے بابا میاں نظام الدینؒ کے بجائے غلام قادر گاندربلی کا نام تجویز کیا اور وہ اسمبلی کے لئے بِلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اور ۳۱ راکتوبر ۱۹۵۱ء کو آئین ساز اسمبلی وجود میں آ گئی۔ موصوف کو نیشنل کانفرنس پارٹی کی طرف سے نظر انداز کرنے کا شدید ردِ عمل نہ صرف کنگن اسمبلی حلقہ میں ہوا بلکہ ریاست کے دوسرے حصوں میں آباد اُن کے عقیدت مندوں اور اپنے لوگوں میں بھی ہوا جنہیں موصوف سے بڑی توقعات تھیں۔ لیکن صاحب موصوف نے اس بات کا شکوہ نہ تو شیخ صاحب سے کیا اور نہ ہی نیشنل کانفرنس کو چھوڑا۔

۱۹۵۱ء میں سرہند شریف میں اعتکاف:- ۱۹۵۱ء میں حضرت میاں نظام الدینؒ سرہند شریف حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی زیارت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں چلّہ کیا۔ آپ اعتقاف کی اُس کوٹھی میں رہے جہاں حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے چلّہ کیا تھا۔ اور دونوں رہنماؤں کی ملاقات ہوئی دوسری مرتبہ فروری ۱۹۵۲ء میں جب حضرت پھر سرہند شریف تشریف لے گئے آپ کی عدم موجودگی میں وانگت آپ کے مکان میں آگ نمودار ہوگئی جس سے کافی نقصان ہوگیا۔ حضرت کو ٹیلی فون پہ میاں بشیر احمد صاحب نے اطلاع دی کہ "مکان نذرِ آتش ہوگیا ہے۔" آپ نے دریافت فرمایا کہ "مکان کے متصل باباجی صاحبؒ کی مسجد شریف ہے جس مسجد شریف میں تبرکات ہیں اِسے تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔" میاں بشیر احمد صاحب نے عرض کیا۔ "حضرت مسجد شریف بالکل محفوظ ہے وہاں آگ کی چنگاری تک نہیں گئی" آپ نے فرمایا "شکر الحمد وللہ ہماری متاعِ زیست وہی تبرکات ہیں۔

۱۹۵۱ء میں آپ کی دعوت پر وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کی سونمرگ آمد

ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کو جب بھی فراغت کے لمحے میسر ہوتے تھے۔ تو وہ چھٹیاں منانے کے لئے کشمیر آتے۔ ۱۹۵۱ء میں پنڈت جی کا کشمیر آنے کا پروگرام طے ہوا تو اُنھوں نے صاحب موصوف کو پیغام ارسال کیا کہ ''اس بار وہ سونمرگ قیام کریں گے اور اگر ہو سکے تو گجر قبائل کی ثقافت سے متعارف کرائیں۔ اگر چہ ریاست کی حکومت بھی متحرک ہوگئی۔ لیکن پنڈت جی کے رہنے اور طبع آرائی کا سارا انتظام موصوف نے اپنے ذمہ لے لیا۔ چنانچہ ۲۴ر اگست ۱۹۵۱ء کو پنڈت جی کی سونمرگ آنے کی تاریخ طے ہوئی۔ اگست کے مہینے میں وانگت کے بالائی پہاڑی علاقوں تلیل اور گریس کی چراگاہیں پونچھ راجوری اور دوسرے پہاڑی علاقوں کے گجر بکروال قبائل سے بارونق ہوا کرتی ہیں۔ جو تمام کے تمام دربار لار کے مرید ہیں۔ چنانچہ حضرت باباصاحبؒ نے ان اور عقیدت مندوں سے کہا'' کہ وہ اپنے گھوڑے بھنیسے اور مینڈے لے کر سونمرگ آجائیں۔'' پھر روایتی سازندوں کی ٹولیوں اور صوفیانہ کلام گانے والے بزرگوں کو بھی طلب کر لیا۔ پنڈت جواہر لعل نہرو شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ وانگت آئے جہاں باباصاحب نے اُن کا استقبال کیا اور پھر باباصاحب کے ساتھ سونمرگ میں پنڈت جی نے خانہ بدوش قبیلوں کے گجروں کے درمیان رات گزاری جہاں اُن کا ہر لحہ وہاں کے گجروں کی طرح تندرست آزاد اور سب مشکلوں اور تفکروں سے پاک گزرا۔ انھوں نے جسمانی تازگی حاصل کی ہنستے کھیلتے کھلے دل والے لوگوں کی محبت سے لطف انداز ہوئے اور رات بھر گجر اپنے خاص سازوں اور لوک گیتوں سے پنڈت جی کی طبع آرائی کرتے رہے۔ رات کی دعوت میں گوجری پکوان بھی شامل تھے۔ جنھیں پنڈت جی نے بڑے شوق سے تناول فرمایا۔[1]

---

[1] گجر گوجری زبان وادب۔ تحریر چودھری رام پرساد کھٹانہ۔ اخبار ایڈیٹر نمبر

دوسرے دن پنڈت جی کے اعزاز میں ہزاروں گھوڑ سواروں[38] نے گھوڑ دوڑ کے کرتب دکھائے بھیسوں اور مینڈوں کی لڑائی کا اہتمام ہوا۔ اور دیگر روایتی مشاغل دکھائے گئے۔ کئی برسوں کے بعد پنڈت جواہر لعل نہرو قبایلی ثقافت کی جھلک دیکھ کر محظوظ اور تازہ دم ہوئے۔ وہ دیر تک بڑی دلچسپی سے اس تمدّنی ورثے کو ملاحظہ کرتے رہے جب پروگرام ختم ہوا تو پنڈت جی نے شیخ صاحب سے کہا کہ ''آپ میری طرف سے لوگوں کا شکریہ ادا کریں شیخ صاحب اسٹیج پر کھڑے ہو کر لوگوں سے مخاطب ہوئے کہ پنڈت جی آپ کا شکرایہ ادا کر رہے ہیں۔ کہ آپ نے سارا دن اُن کی طبع آرائی کی۔'' اُس وقت لوگوں میں سے سید علی نامی شخص کھڑا ہو گیا اور زور سے بولا کہ ''ہم نہ آپ کو جانتے ہیں۔ اور نہ پنڈت جی کو جانتے ہیں۔ ہم تو فقط اپنے بابا (حضرت میاں نظام الدین لارویؒ) کو جانتے ہیں۔ اور ہم اِس تفریح طبع کے پروگرام میں اپنے بابا صاحب کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں شکریہ کرنا ہے تو ہمارے بابا صاحبؒ کا کرو۔'' یہ الفاظ سُن کر پنڈت جواہر لعل نہرو نے شیخ صاحب کی طرف دیکھا اور حضرت میاں نظام الدینؒ کی طرف اشارہ تے ہوئے بولے (جو اسٹیج پر پنڈت جی کے قریب کھڑے تھے) ''یہ ہے عوام کے رہنما کی پہچان، کتنا اچھا ہوتا کہ اگر میاں صاحب اسمبلی میں ہوتے۔ اُس وقت میاں نظام الدین صاحبؒ نے پنڈت جواہر لال نہرو اور شیخ محمد عبداللہ صاحب سے فرمایا'' کہ میرے لوگوں کے مسایل کشمیر میں ہیں اِس لئے رُکنِ پارلیمانی سے میری کوئی دلچسپی نہیں۔ شیخ صاحب اور دوسرے ذی شعور لوگوں کے ساتھ باہمی مشورہ کرنے کے بعد آپ ریاستی اسمبلی میں ۱۹۵۲ء میں منتخب ہوئے۔

---

[38] اُس وقت بابا صاحب کے پاس ایک سفید رنگ کا اعلیٰ نسل کا گھوڑا نقرہ (چاندی جیسا) تھا۔ پنڈت جی نے بابا صاحب کے اس گھوڑے کو دیکھا تو قریب چلے گئے۔ اُس پر سواری کی پھر اُتر کر گھوڑے کو دانہ کھلانے لگے۔ اُن کی یہ تصور اُن کے گھر میں دیوار پر ایک عرصہ تک آویزاں رہی۔ ستی ساہنی اپنے ایک مضمون میں جو رسالہ ''ٹورسٹ'' میں شائع ہوا میں لکھتے ہیں کہ پنڈت نہرو، اندرا گاندھی کے ساتھ کشمیر آئے اور پانچ دن چھٹیاں منانے کے لئے سونمرگ قیام کیا ہر روز دوپہر کے بعد کا وقت گجر قبایل کے ساتھ گزارتے تھے جو گرد و نواح سے آئے تھے اور اپنے لوک گیتوں اور لوک سازوں سے محظوظ کرتے رہے۔ پنڈت جی ان مشاغل میں خود شریک ہوتے تھے۔ اُن کی زندگی کے بارے میں دریافت کرتے اور اُن کے مسایل کو دور کرنے کی سعی کرتے تھے۔ اگرچہ ساہنی نے اپنے مضمون میں صاحب موصوف کا ذکر نہیں کیا لیکن حضرت قبلہ میاں بشیر احمد صاحب نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ ''یہ اہتمام موصوف نے ہی کیا تھا اور صاحب کی وجہ سے ہی پنڈت جی کی کشمیر کے ان قبایل سے دلچسپی بڑھی تھی۔''

پھر[1] پنڈت جی باباصاحبؒ سے بغل گیر ہوئے اور اجازت لے کر رخصت ہو گئے۔ موصوف کا وزیرِاعظم ہند پنڈت جواہر لعل نہرو کے اعزاز میں اپنے لوگوں کا اکٹھا کرنے کا مقصد فقط اتنا تھا کہ اُن کی اقتصادی پسماندگی، غربت اور محرومی سے پنڈت جی کو متعارف کرایا جاسکے تا کہ اُن کی ترقی کے راستے ہموار ہوں۔ پنڈت جی اور موصوف کے دوستانہ تعلقات کا فائدہ آگے چل کر ریاست کے پسماندہ اور پچھڑے طبقوں کو ہوا۔[39]

[39] روزانہ ملاپ کے ایڈیٹر شری رنبیر جی ۱۹۵۳ء میں وانگت آئے تھے۔ اور باباصاحب سے ملے تھے۔ واپس جا کر اُنھوں نے "ملاپ" اخبار کے ۲۱ اکتوبر ۱۹۵۳ء کے شمارہ میں ایک مضمون گوجروں اور درگاہ ولار پر لکھا تھا۔ جس کا اقتباس یوں ہے۔

"گجر جتنے جانباز محنتی دلیر اور ہمت والے لوگ ہیں۔ اُتنے کشمیر تو کیا دنیا کی کسی جگہ ایسے آدمی ملنے مشکل ہیں۔ اُن کی جسمانی بڑی ٹھوس اور مضبوط ہے۔ اُسے دیکھ کر عقیدت سے سر جھک جاتا ہے۔ گجروں کو اگر کشمیر کے جنگلوں کا بادشاہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ یہ لوگ اونچے اونچے پہاڑوں پر بستے ہیں۔ لیکن اُن کا رہنما اور راستہ دکھانے والا ایک ہے سندھ ندی کی دوسری طرف میں نے پہلی بار اُن کے مُتحا کے درشن کیے وہ کالی اچکن، سفید شلوار اور خالص گوجری طرز کی پگڑی پہن کر آئے تھے۔ گھوڑوں پر سوار انسانوں کی ندی بھاگتے دوڑتے سندھ ندی کے کنارے کنگن کے قریب میں نے دیکھی (جب وہ پنڈت جی کا سواگت کرنے سونمرگ جا رہے) تین ہزار سے اوپر گھوڑوں پر سوار اس طرح بھاگتے جا رہے تھے جس طرح سمندر میں طوفان آگیا ہو۔ اُن کے گورے گورے خوبصورت چہرے بر اقی ہوا سے سرخ گلابی گال، کالی کالی بکھری ہوئی داڑھیاں ہوا میں اڑتے ہوئے پیچھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے طوفانی ندی کی لہر آسمان میں پہنچ جانے کو اچھل رہی ہو۔

ملاپ اخبار کے ایڈیٹر رنبیر جی اداریے میں آگے لکھتے ہیں۔ "شری جواہر لعل نہرو کو باباصاحبؒ سے بہت پیار تھا۔ وہ کشمیر میں جب بھی آتے آپ سے ضرور ملاقات کیا کرتے تھے۔ باباصاحبؒ نے مجھے خود اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے بتایا کہ "ایک بار کشمیر میں میٹنگ چل رہی تھی۔ جس میں پنڈت جواہر لعل نہرو حاضرین کو خطاب کرنے والے تھے۔ میں پیچھے کی قطار میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُن کی نظر سب کو پہچان رہی تھی۔" میں اُن کو نظر نہیں آیا تو فوراً رکتے ہوئے اُنھوں نے سیکریٹری سے پوچھا کہ "وہ بزرگ نظر نہیں آرہے جو گجر ہیں اور وانگت میں رہتے ہیں۔" تو میں نے کہا کہ "جناب میں یہاں ہوں پنڈت جی فوراً بولے" آپ آگے آیئے پیچھے کیوں بیٹھے ہیں۔"

[1] حضرت میاں بشیر احمد۔ میاں جنید نظامی۔ چودھری اقبال عظیم۔ جناب برواسی صاحب جن کا مضمون ۲۱-اپریل ۱۹۵۱ء میں آرگنائزر میں شائع ہوا۔

اپریل ۱۹۵۲ء میں حضرت میاں نظام الدینؒ کا ممبر اسمبلی منتخب ہونا۔[1]

پنڈت جواہر لعل نہرو کے کشمیر سے واپس دہلی جانے کے بعد وزیر اعظم جموں و کشمیر شیخ محمد عبداللہ کو اس کوتاہی کا شدّت سے احساس ہونے لگا کہ باباصاحبؒ کو اسمبلی سے دور رکھ کر بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے غلطی کا ازالہ کرنے کی ٹھان لی اُن دنوں بہار کے دن تھے۔ اسمبلی چل رہی تھی۔ شیخ صاحب جموں سے سرینگر آئے اور حضرت میاں نظام الدینؒ کو اوقاف کی میٹنگ میں مدعو کیا۔ چنانچہ آپؒ اپنے فرزند میاں بشیر احمد صاحب کے ساتھ سرینگر پہنچے اور درگاہ شریف حضرت بل کے قریب اوقاف کے دفتر میں تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ صاحب بڑے تپاک کے ساتھ آپ سے ملاقی ہوئے۔

میٹنگ کے بعد کھانے کا انتظام تھا۔ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ صاحب، عبدالرحیم بانڈے صاحب، حضرت حاجی باباصاحبؒ اور میاں بشیر احمد صاحب ایک ہی تھالی میں کھانا کھانے بیٹھے، کھانے کے دوران شیخ صاحب نے باباصاحبؒ سے کہا کہ "اسمبلی کے لئے امیدواروں کو ٹکٹ دیتے وقت میں نے آپ کا بہت انتظار کیا۔ اُس دن نہ معلوم آپ کیوں نہ تشریف لائے۔ ہم تو آپ کو اسمبلی میں امیدوار بنانا چاہتے تھے۔" خیر کوئی بات نہیں اب بھی کچھ نہیں بگڑا میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ غلام قادر گاندربلی کو ہم پارلیمنٹ میں بھیجیں گے اور آپ اپنے مقام اور منصب پر آکر اپنے لوگوں کی نمائندگی کریں گے۔ اس کے جواب میں موصوف نے فرمایا۔ نمائندگی تو مجھے اپنے سلسلہ کی کرنی ہے جو میں کررہا ہوں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں میں اپنے لوگوں میں ہی خوش ہوں جو نمائندگی میں کرنا چاہتا ہوں اُس میں کسی عہدے یا منصب کی ضرورت نہیں۔ لیکن شیخ صاحب اصرار کرتے رہے کہ "ہم آپ کو اسمبلی میں لائیں گے۔"

دوسرے دن نیشنل کانفرنس پارٹی کی طرف سے غلام قادر گاندربلی کی پارلیمنٹ کے امیدوار کیلئے سفارش کردی اور حضرت میاں نظام الدینؒ کو اُن کی جگہ اسمبلی کے چناؤ کا ٹکٹ دے دیا گیا لیکن موصوف کا مقابلہ اور

---

[1] تحریک حریت کشمیر مصنف رشید تاثیر

موصوف ۳۰/اپریل ۱۹۵۲ء ریاستی اسمبلی کے رُکن منتخب قرار دیئے گئے آپ کے قانون ساز اسمبلی میں آنے کے باعث جہاں پہاڑی علاقوں میں آباد لوگوں کو نمائندگی ملی وہیں نیشنل کانفرنس کی شاخیں وادی کے باہر پھیلنے لگیں۔

حضرت حاجی باباصاحبؒ کے اسمبلی کے رُکن منتخب ہونے کے بارے میں میاں بشیر احمد اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

۲۹/اپریل ۱۹۵۲ء آج تین چار بجے جُملہ صدر حلقہ ڈیلی گیٹ صاحبان کی حاضری میں شیخ صاحب اور بخشی صاحب نے ہدایات دیں اور حضرت باباصاحبؒ ممبر اسمبلی کے لئے منتخب کیے گئے۔ الحمد اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بڑی فتح دی خواجہ پیر دستگیرؒ اور خواجہ مشکل کشاءؒ نے باباصاحبؒ کو بہت بڑی فتح عطا کی ہے۔ اِس ڈیلی گیشن میں چودھری غلام حسین لسانوی بھی موجود تھے۔ سب کو پنجاب ہوٹل سرینگر میں دعوت کھلائی گئی جس پر ۴۸ روپے خرچ ہوئے۔

۳۰/اپریل ۱۹۵۲ء آج بھی ہم سرینگر میں حضرت باباصاحب کے ساتھ رہے آپؒ مقابلے کے بعد سہ پہر ساڑھے چار بجے اسمبلی کے امیدوار حلقہ کنگن سے منتخب ہوگئے۔ میرے حضرت اس سے پہلے بھی ایک دفعہ ریاست کی اسمبلی (پرجا سبھا) میں نامزد رہ چکے ہیں۔

اس کے بعد اس خوشی کے موقع پر پنجاب ہوٹل میں چائے پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ سارا ہال مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ جس وقت حضرت اُمیدوار منتخب ہوئے اُس وقت آپ زری کلاہ مشدّی لنگی سیاہ اور سفید شلوار میں ملبوس تھے۔ حامیوں، شیدائیوں اور عقیدت مندوں نے کوٹھی باغ سے لے کر امیرا کدل تک بہت بڑا جلوس نکالا جس میں نیشنل کانفرنس زندہ باد حضرت میاں نظام الدینؒ زندہ باد کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ باباصاحب کے قانون ساز اسمبلی میں اُمیدوار منتخب ہونے کی خوشی میں ریاست کے کونے کونے میں آباد گجر بکروال اور پہاڑی بولنے والے اور دوسرے طبقوں کے لوگ آپ کے حق میں جلسے اور جلوس نکال کر مبارک باد دے رہے ہیں۔ اور ساری قوم پر ایک حسین ماحول طاری ہے۔

۱۹۵۲ء میں حضرت امیر القوم کی صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد سے ملاقات

ڈاکٹر راجندر پرشاد صدر جمہوریہ ہند کشمیر میں جن چند لوگوں کا دل سے احترام کرتے تھے اُن میں امیر القوم میاں نظام الدینؒ کا نام سر فہرست تھا۔ صدر جمہوریہ موصوف کی روحانی شخصیت سے بہت پہلے سے واقف تھے جب ابھی وہ صدر نہیں بنے تھے تو صاحب موصوف کی اُن سے پہلی ملاقات وزیر داخلہ ولبھ بھائی پٹیل کے گھر ہوئی تھی ۱۹۵۲ء میں صدر جمہوریہ بننے کے بعد ڈاکٹر راجندر پرشاد جب جموں وکشمیر کے دورہ پر آئے تو میاں نظام الدینؒ نے بھی ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے اُن سے ملاقات کی تھی اور ریاست کی صورت حال پر تبادلہ خیال کیا تھا آپؒ نے انھیں ریاست جموں وکشمیر کے پہاڑی علاقوں میں آباد مختلف طبقوں اور قبائل کی اقتصادی پسماندگی کو دُور کرنے اور خانہ بدوش بکروال قبائل کی آباد کاری کے بارے میں تفصیل کے ساتھ اپنا منصوبہ بتایا صدر جمہوریہ نے آپ کی تجویزوں پر مرحلہ وار عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا یہ ملاقات بڑے خوشگوار ماحول میں ہوئی تھی۔ ☆

۱۹۵۲-۵۳ء بحیثیت ممبر اسمبلی حضرت میاں نظام الدینؒ کا طریقہ کار[1]

۳۰-اپریل ۱۹۵۲ء میں جب ریاست کے وسیع سیاسی کینواس پر میاں نظام الدینؒ کا ظہور ہوا تو آپ نے بڑی پاک صاف سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ چونکہ آپ کی سیاست روحانیت کے خمیر سے تیار ہوئی تھی۔ اس لئے سیاست میں آپ اخلاق اور اصولوں کی پاس داری کرتے تھے۔ آپ نے سب کو برابر سمجھا اور بلالحاظ مذہب ملت اپنے آپ کو سب کی بھلائی کے لئے وقف کر دیا۔ آپ بڑے بے باک اور بے لاگ شخصیت کے مالک تھے جرأت اور جلال رکھتے تھے۔[2] آپ میں سچ کو سچ کہنے کی توفیق تھی آپ عوام کی زندگی سنوارنے کے لیے سیاست میں

---

[1] میاں بشیر احمد۔ [2] میاں جنید نظامی



حضرت میاں نظام الدینؒ، صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد کے ساتھ



حضرت میاں نظام الدینؒ اپنے فرزند حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ساتھ
میاں غلام رسول، سردار غلام حسین سمبھوٹیہ، چودھری فیروز الدین لسانوی
اور مُلاں حبیب وغیرہ

آئے تھے اور سب کو پھولتا پھلتا دیکھنا چاہتے تھے۔ اُن کی کوشش تھی کہ ہر ایک کو آگے بڑھنے کے مساوی مواقع میسر آئیں اس طرح روحانی شخصیت کے ساتھ ساتھ اُن کی سماجی اور سیاسی صلاحیتوں سے بھی لوگ فیض یاب ہونے لگے چونکہ...... پہاڑی علاقوں میں آباد تمام۔۔قوموں کے لوگ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ریاستی حکمران آپ کے حوصلے عزم ہمت اور آپ کی عوامی طاقت سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے آپ کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔ آپ پونچھ اور راجوری تشریف لے گئے۔ سرن مینڈھر میں پیر جماعت علی شاہ اور پونچھ سے ماسٹر غلام احمد کو بھی عوام کی بہتری کی طرف راغب کیا اِسی طرح آپ صوبہ کشمیر کے بھی کئی دور دراز علاقاجات میں تشریف لے گئے۔ اور لوگوں میں ترقی اور بہبودی کا شعور پیدا کیا ساتھ ہی اِن لوگوں کو سیاسی رجحان کی جانب گامزن کیا۔

شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پر آپ کا ملال[1]

۱۹۵۳ء میں کشمیر میں سیاسی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ جن کی بہت سی وجوہات تھیں۔ ریاستی قانون ساز اسمبلی ۱۹۵۱ء سے وجود میں آچکی تھی لیکن اسمبلی نے کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی توثیق نہ کی تھی اور شیخ صاحب نے چک داری اور جاگیرداری کا خاتمہ کر کے غریب کاشتکاروں کو راحت دی تھی لیکن مرکزی حکومت اس قانون کے بارے میں مشکوک تھی۔ دوسری طرف سراون اور ڈکسن کا کشمیر پلان سامنے آچکا تھا جس میں وادی کشمیر میں رائے شماری کی بات کی گئی تھی۔ جسے ہندوستان کی حکومت نے شیخ صاحب اور ڈکسن کے درمیان مسلسل ملاقاتوں کا نتیجہ سمجھا تھا۔ شیخ صاحب ہندوستان کے ساتھ الحاق کی شرطوں کے مطابق تعلقات چاہتے تھے تو مرکزی حکومت کشمیر کے معاملوں میں جلدی میں تھی۔ اسی تناظر کے دوران جن سنگھ کے صدر ڈاکٹر شاما پرشاد مکرجی نے ہندوستان اور کشمیر کے درمیان پرمٹ سسٹم کو ختم کرانے کی مہم چلائی اور ۸ مئی ۱۹۵۳ء کو لکھن پور میں گرفتار ہوئے۔ اور انھیں سرینگر نظر بند کیا گیا جہاں ۲۳ رجون ۱۹۵۳ء کو اُن کا جیل میں انتقال ہوا تو ہندوستان اور جموں میں

[1] آتش چنار شیخ محمد عبداللہ .... تحریک حریت کشمیر .... رشید تاثیر

زبردست احتجاج شروع ہوا۔ یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر مرکزی حکومت نے شیخ صاحب کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا اور کشمیر کے کچھ لیڈروں کے ساتھ ساز باز کر کے ۹ راگست ۱۹۵۳ء میں شیر کشمیر کو گلمرگ سے اُن کے کچھ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار کرلیا جس کا کشمیر میں شدید ردعمل ہوا۔ شیخ صاحب کی گرفتاری حضرت میاں نظام الدینؒ کے لئے زبردست سانحہ تھا۔ دونوں کے درمیان ۱۹۳۱ء سے گہرے مراسم اور ذاتی تعلقات تھے۔ جہاں عقیدوں کے لحاظ سے اُن کے خیالات میں مماثلت تھی۔ وہیں سوچوں کی سطح پر دونوں حرّیت پسند تھے دبے کچلے عوام کو اوپر اُٹھانے کے متمنی تھے۔ اور انسانی اُمنگوں کے لئے جدوجہد کرتے رہے تھے اس لئے شیخ صاحب کی گرفتاری سے آپؒ کو سخت صدمہ پہنچا تھا۔ وہ پہلے ممبر اسمبلی تھے جنھوں نے قانون ساز اسمبلی میں شیخ صاحب کی گرفتاری کے خلاف آواز اُٹھائی اور اُن کی رہائی کی مانگ کی تھی۔ جب اسمبلی میں آپ کو کوئی حامی نہ ملا تو آپ نے اسمبلی میں جانا کم کردیا۔ سیاسی رہنماؤں سے ملنا چھوڑ دیا۔ اور سیاست سے دلچسپی کم کردی۔

حضرت باباجی صاحبؒ نے ایک روحانی مجلس کے دوران ارشاد فرمایا تھا کہ "خداوند کریم نے میاں نظام الدینؒ کو مغرب، شمال اور مشرق کا حصّہ عطا کیا ہے اور حاجی نوران شاہ صاحبؒ (لاہ) کو جنوب مشرق کا حصّہ دیا ہے۔ اس لئے سلسلہ کے لحاظ سے دونوں بھائی آپس میں بانٹ لیں اور دریائے چناب کے آر پار رہیں۔ اس روحانی حد بندی کے تحت مظفر آباد، ضلع ہزارہ، صوبہ سرحد، بانڈی پور، بارہمولہ، لولاب اور تلیل وغیرہ علاقے حضرت میاں نظام الدینؒ صاحب کے پاس چلے گئے اور پہلگام جموں کٹھوعہ، ڈوڈہ اور گول گلاب گڑھ کے کچھ علاقے حاجی نوران شاہ صاحبؒ کے حصّے میں آئے۔ اس لئے ۱۹۴۷ء تک موصوف نے جموں کے علاقوں کا دورہ نہ کیا اور یہاں کی مسلمان آبادی کی اکثریت حاجی نوران شاہؒ کے عقیدت مندوں میں شمار ہوتی رہی اگرچہ مرید روحانی تسکین کی خاطر لار شریف بھی جایا کرتے تھے۔ ۱۹۴۷ء کے واقعات کے بعد حاجی نوران شاہ صاحب پاکستان تشریف لے گئے تو علاقہ جموں میں اُن کے مرید حضرت میاں نظام الدینؒ کے حلقہ میں آگئے اور آپؒ کو اپنے علاقوں میں آنے کی دعوتیں دینے لگے۔"

اس لیے دسمبر ۱۹۵۴ء میں میاں نظام الدینؒ نے صوبہ جموں میں دریائے چناب کے اُس پار آباد

مسلمانوں کی روحانی پیاس بجھانے کے لئے اِن علاقاجات کے دورہ کا پروگرام مرتب کیا۔ تو برگیڈیر خُدا بخش (جو باباجی صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے) کے فرزندِ اکبر اللہ بخش اپنے والد کے اصرار پر آپؒ کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہوئے۔ اللہ بخش صاحب جو ریاستی پولیس میں آئی۔جی۔پی کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں نے راقم سے ایک گفتگو میں بتایا کہ گھوڑوں پر سوار یہ قافلہ جموں کٹھوعہ، بھدرواہ، ڈوڈہ، رام نگر جسروٹہ سے ہوتا ہوا بانہال سے باہر نکلا راستے میں جنگلوں میں پناہ گزین ڈھوکوں، مرگوں، بہکوں اور گاؤں کے مکین بڑی عقیدت اور حترام سے آپؒ کے استقبال کے لئے آگے بڑھتے انھیں اپنے اپنے علاقوں اور گھروں میں لے جاتے اور جس گھر میں پڑاو پڑتا وہاں تہوار کا ساسماں ہو جاتا۔ رات دیر تک روحانی مجالس منقعد ہوتیں حضرت موصوف لوگوں کو دین اسلام اور شریعت کے تحت زندگی گزارنے کی تلقین کرتے، روحانی فیض سے اُن کی روح کی تسکین کرتے اور پھر ہم اگلی منزل کی طرف بڑھتے۔ اللہ بخش بتاتے ہیں کہ اس دورے میں پہلی بار میں خانہ بدوش لوگوں کی قبائلی زندگی سے متعارف ہوا۔ جن کے دلوں کو آپؒ نے روحانیت کی شمع سے منّور کیا تھا موصوف کے ساتھ گزارے ہوئے دن میری زندگی میں آج بھی اُسی طرح چمک رہے ہیں۔ جیسے دھوپ میں پہاڑی چوٹیوں پر برف چمکتی ہے [1]۔

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد صاحب

چودھری غلام حسین لسانوی کی وطن واپسی

چودھری غلام حسین لسانوی ریاست پونچھ کی اُن مقتدر شخصیات میں شمار ہوتے تھے۔ انھیں گجر گاندھی کے خطاب سے نوازا ہوا تھا۔ لسانوی صاحب نے دوبارہ ریاستی پرجا سبھا کا چناؤ لڑا تھا اور ۱۹۴۷ء کے چناؤ کے بعد عدالت کے ایک فیصلے کی رو سے وہ پرجا سبھا کے امیدوار منتخب قرار دیئے گئے تھے۔ اسی دوران ۱۹۴۷ء کے واقعات رونما ہوئے۔ اور علاقہ سرنکوٹ میں بھی حکومت اور انتظامیہ مفلوج ہوگئی اور تقریباً ایک سال تک یہ علاقہ کرنل ہدایت خاں کے تحت قبائلیوں اور باغیوں کے قبضہ میں رہا۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں ہندوستانی فوج نے جب سرنکوٹ کو قبائلیوں اور باغیوں سے واپس لیا تو علاقے میں زبردست افراتفری اور تشدد کا ماحول تھا عوام کو کئی قسم کے شکوک اور وسوسے لاحق تھے معزز خاندان یا تو جنگلوں میں پناہ گزین تھے یا حد متارکہ کے اس پار چلے گئے تھے۔ اس افراتفری میں چودھری غلام حسین لسانوی بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ حد متارکہ عبور کر گئے اور راولپنڈی میں آباد ہوئے تھے۔ مگر وہاں کی ہوائیں انھیں راس نہ آئیں۔ اپنے وطن کی یاد ستانے لگی دربارِ عالیہ حضرت باباجی صاحبؒ سے دوری کا کانٹا اُن کے دل میں چبھنے لگا میاں نظام الدینؒ کی شفقت بار بار یاد آنے لگی۔

چودھری صاحب حضرت بابا صاحبؒ کے سب سے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ ۱۹۳۲ء کے بعد دونوں نے مل کر اپنے لوگوں کے لیے جدوجہد کی تھی اور غریب پچھڑے ہوئے پسماندہ طبقوں کو عزت اور وقار کی زندگی گزارنے کے لئے زبردست مہم چلائی تھی۔ میاں بشیر احمد کی اہلیہ محترمہ غلام مریم صاحبہ چودھری لسانوی صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ جنہیں اپنے والدین کا حدِ متارکہ کے اُس پار چلے جانے کا بے حد صدمہ تھا۔ انہیں میاں بشیر احمد صاحب نے کہا کہ "میں انشاءاللہ ضرور چودھری صاحب کو وطن واپس لاؤں گا۔"

اس تناظر میں ۱۹۵۳ء میں میاں نظام الدینؒ نے ریاستی اسمبلی میں چودھری غلام حسین لسانوی اور دیگر مقتدر خاندانوں کی حد متارکہ کے اُس پار سے واپسی کے لئے زوردار مانگ کی اس مانگ پر وزیر اعظم بخشی غلام محمد سیخ پا ہو گئے اور کہا کہ "اگر چودھری غلام حسین لسانوی اور مرزا محمد حسین جیسے لوگ واپس یہاں آتے ہیں تو پھر ہماری کیا ضرورت ہے۔" یہ سُن کر بابا صاحبؒ نے اسمبلی سے واک آوٹ کیا اور اسمبلی میں جانا چھوڑ دیا ریاست کے پہاڑی علاقوں میں آباد لوگوں میں حکومت کے خلاف زبردست ناراضگی پیدا ہو گئی۔ ان حالات میں بخشی غلام محمد مجبور ہو گئے انھیں موصوف کی مانگ کے آگے جھکنا پڑا وہ حضرت بابا صاحبؒ سے ملے اپنے بیان پر معذرت کا اظہار کیا اور وعدہ کیا "کہ وہ یہ معاملہ مرکزی حکومت سے اُٹھا کر چودھری لسانوی صاحب کی واپسی کا انتظام کروائیں گے۔" چنانچہ کچھ دنوں کے بعد علاقہ پونچھ میں تعینات فوج سے کہا گیا کہ چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کو حدِ متارکہ پار کر کے اُنھیں اس طرف آنے دیا جائے۔ اس کی اطلاع چودھری صاحب کو بھی دے دی گئی اور پھر ۱۹۵۴ء میں طے شدہ وقت پر چودھری لسانوی صاحب کو کیرنی پونچھ باڈر سے داخل ہونے کے لئے آمادہ کر لیا گیا۔[1]

اُس روز چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کے استقبال کیلئے وانگت سے میاں بشیر احمد صاحب پونچھ آئے ہوئے تھے۔ آپ بانڈی چیچیاں، ڈینگلہ میں عین سرحد کے قریب تھے جب حدِ متارکہ پر واقع کیرنی گاؤں سے چودھری صاحبؒ اپنے اہل خانہ کے ساتھ اس طرف آئے تو میاں صاحب نے انھیں اپنے تحفظ میں لے لیا پھر گھوڑوں پہ سوار یہ قافلہ ڈینگلہ گاؤں پہنچا جہاں حضرت باباجی صاحبؒ کے ایک عقیدت مند کے گھر دعوت تیار

؎ میاں نظام الدین صاحبؒ کی مسلسل کوششوں کے باعث چودھری غلام حسین لسانوی ۱۹۵۶ء میں ریاستی قانون ساز کونسل کے ممبر بنے آپ نے اپنے لوگوں کیلئے اسمبلی میں زوردار آواز اُٹھائی آپ کا انتقال ۹، اپریل ۱۹۶۱ء کو لسانہ میں ہوا۔ چودھری صاحب کے انتقال کے وقت موصوف شاہدرہ شریف تھے خبر سُن کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا کہ "اج میرو سنگی میرا تیں جدا ہو گیو" پھر اُسی وقت پونچھ کے لئے روانہ ہو گئے۔

[1] میاں بشیر احمد صاحب............ چودھری محمد اسلم لسانوی

تھی دعوت کے بعد شام کو سب لوگ لسانہ آ گئے۔ دوسرے دن مقامی حفاظتی دستوں نے چودھری غلام حسین لسانوی صاحب کو گرفتار کر لیا کیونکہ اُن کے پاس سرکار کی طرف سے کوئی حکم نہ تھا اور ایس، پی سرینگر گیا ہوا تھا۔ اُسی دن ایس، پی پونچھ پہنچا اور بخشی غلام محمد کی ہدایت پر چودھری صاحب کو رہا کر دیا گیا۔ پھر چودھری غلام حسین لسانوی میاں بشیر احمد کے ہمراہ اہل خانہ کے ساتھ کشمیر روانہ ہوئے اُسوقت دربار لار شریف کے سینکڑوں عقیدت مند بھی آپ کے ساتھ تھے یہ قافلہ درّہ پیر پنجال کو عبور کر کے وانگت پہنچا جہاں چودھری غلام حسین لسانوی نے اپنے مرشد کے روضہ شریف پر حاضری دی اور سجادہ نشین حضرت بابا صاحبؒ کی قربت سے سرفراز ہوئے۔

۱۹۵۴ء میں میاں بشیر احمد کی خانہ بدوش قبائل کی آبادکاری کے لئے ایک کوشش

۱۹۵۴ء میں وزیر اعظم بخشی غلام محمد جب پہاڑی علاقوں کے دورے سے واپس آئے تو انھیں ان علاقوں میں آباد خانہ بدوش قبائل کی محرومی اور اقتصادی پسماندگی کا شدت کے ساتھ احساس ہوا۔ چنانچہ آپ نے دربار لار سے میاں بشیر احمد صاحب کو سرینگر آنے کی دعوت دی اور اُن کے ساتھ خانہ بدوش قبائل کی بعض آباد کاری اور فلاح و بہبود کے بارے میں تبادلہ خیال کیا میاں صاحب نے ان لوگوں کی آبادکاری کے ساتھ ساتھ محکمہ جنگلات سماج سدھار اور ملیشیا میں ان لوگوں کے نوجوانوں کی بھرتی پر بھی زور دیا میاں بشیر احمد صاحب کی خانہ بدوش طبقہ کی بحالی کی تجویز پر بخشی غلام محمد نے ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا نام سوشل ویلفیر اور فارسٹ کمیٹی رکھا گیا اس کمیٹی کے چیرمین وزیر جنگلات شام لعل صراف کو بنایا گیا جبکہ میاں بشیر احمد صاحب کو نائب صدر بنایا تا کہ اس کمیٹی کے مشورے کے تحت خانہ بدوش قبائل کی بہبودی کی سکیمیں مرتب ہو سکیں کمیٹی کی کچھ میٹنگوں کے بعد ایک مجوزہ منصوبہ وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے سامنے رکھا جس کے بہت سے نکات پر انھوں نے اپنی منظوری دے دی۔ پھر بخشی صاحب نے میاں صاحب سے مشورہ کر کے خانہ بدوش قبائل کے کوئی ڈیڑھ سو باشعور لوگوں کو پوری ریاست سے جموں بلایا اور اپنے گھر کھانے پر دعوت دی دعوت میں ان لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے بخشی صاحب نے کہا کہ میں نے میاں بشیر احمد صاحب کی تجویز پر آپ کے قبائل کی آبادکاری کا فیصلہ کر لیا ہے۔ کل ہم آر، ایس پورہ

چلیں گے صبح آپ سب لوگ میری کوٹھی پر آ جائیں میں نے گاڑیوں کا انتظام کر رکھا ہے۔ ہم جلوس کی شکل میں آر، ایس، پورہ جائیں گے۔ وہاں آپ کو زرخیز زمینی قطعے الاٹ ہوں گے۔ مکانوں کے لئے مالی معاونت کی جائے گی آپ کے نوجوانوں کو روزگار کی سہولتیں فراہم ہونگی اور کل سے ہی آپ لوگوں کی آبادکاری کا سلسلہ شروع ہو جائے گا تا کہ ریاست کا یہ پچھڑا ہوا طبقہ قومی دھارے میں شامل ہو کر ترقی کی منزلیں طے کرے اور آپ کے بچوں کی تعلیم ضائع نہ ہو۔ بخشی صاحب کی یہ تقریر سُن کر تمام لوگ خوش ہو گئے۔ میاں بشیر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ "وہ ساری رات خوشی کے باعث سو نہ سکے کہ اب ہمارے لوگ بھی آگے بڑھ سکیں گے۔"[۱؎]

لیکن دوسرے دن سب کچھ اُلٹ گیا اُس رات حاجی اسرائیل کھٹانہ صاحب اور اُن کے فرزندِ اکبر عبدالغنی حاجی عالم دین، حاجی سید محمد اور پونچھ راجوری کے بڑے بڑے معتبر لوگ مسجد میں جمع ہوئے اور شکوک ظاہر کیے کہ بخشی غلام محمد کی نیت ٹھیک نہیں ہے اور وہ ہمیں آبادکاری کا جھانسہ دے کر آر، ایس، پورہ کی سرحد کے اُس پار دھکیل دے گا۔ یا بعد میں سرحد پار کرائے گا۔ اور ہم راستوں میں ہی مارے جائیں گے۔ ان خدشوں اور وسوسوں کے درمیان اُنھوں نے صبح آر، ایس پورہ نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ صبح سویرے حاجی عالم دین، میاں بشیر احمد صاحب کے پاس آیا اور بتایا کہ "رات لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا ہے کہ انھیں زمین نہیں چاہیے اس لئے وہ رات کو ہی واپس اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔" حضرت میاں صاحب مسجد میں آئے اور اُن کی وہاں موجود بزرگوں کے ساتھ جھڑپ ہو گئی مگر وہ لوگ بخشی صاحب سے اتنے خوف زدہ تھے کہ کسی طرح بھی آر، ایس پورہ جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ میاں صاحب بخشی صاحب کی کوٹھی پر آئے اور انھیں معاملہ سے آگاہ کیا تو اُن کا رنگ بھی فق ہو گیا۔ اس طرح میاں بشیر احمد صاحب کی ریاست کے پہاڑوں میں آباد خانہ بدوش قبائل کی آبادکاری کی ایک سنجیدہ کوشش کچھ لوگوں کی غلط فہمی اور سیاسی تناظر کے باعث ناکام ہو گئی۔ حالانکہ یہ کوشش میاں بشیر احمد صاحب نے سیاسی تناظر سے بالاتر ہو کر خانہ بدوش قبائل کی بہبودی کے لئے کی تھی۔[۲؎]

[۲؎] آر، ایس پورہ کی یہ زرخیز زمین پھر بگت چھجو رام کے کہنے پر بخشی غلام محمد نے حد متارکہ کے اُس پار سے آئے ہوئے رفیوجیوں میں تقسیم کر دی۔ انھیں گھر بنا کر دیئے گاڑیوں کے پرمٹ دیئے اور وہ لوگ صاحب جائیداد ہو گئے۔

[۱؎] میاں جنید نظامی

۱۹۵۷ء کے اسمبلی انتخاب میں امیر القوم کا بلا مقابلہ منتخب ہونا

۱۹۵۷ء کے اسمبلی انتخابات کے وقت ریاست جموں و کشمیر کا سیاسی تناظر حضرت میاں نظام الدینؒ کے مزاج کے مطابق نہ تھا نہ ہی اُس وقت کی نیشنل کانفرنس جماعت کے لیڈران کے ساتھ زیادہ رغبت رکھتے تھے۔ ان رہنماؤں کے ساتھ سیاسی اختلاف بھی تھے اس لئے حضرت نے انتخاب میں حصّہ لینے کی خواہش ظاہر نہ کی۔ لیکن نیشنل کانفرنس کو آپؒ کے روحانی مقام اور عوامی حمایت کا علم تھا اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی صورت میں آپ کو نیشنل کانفرنس کے ساتھ رکھا جائے۔ اس لیے آپ کے انکار کے باوجود مشاورتی کمیٹی نے کنگن حلقہ سے آپ کو پارٹی کا ٹکٹ دے دیا۔ بابا صاحبؒ پھر بھی چناؤ لڑنے کے حق میں نہ تھے لیکن کنگن اسمبلی حلقہ کے عوام آپ کے گرد جمع ہو گئے اور استدعا کی اس حلقہ کے غریب پچھڑے ہوئے اور پسماندہ طبقوں کے مفاد کی خاطر آپ چناؤ میں حصّہ لیں اور ہماری نمائندگی کریں ورنہ ہم سے انتقام لیا جائے گا۔ چنانچہ عوام کے بار بار اصرار کو مدنظر رکھ کر موصوف نے ٹکٹ کو قبول کیا۔ اور حلقہ انتخاب کنگن سے اسمبلی کے امیدوار کے لئے فارم بھرا یہ آپ کی روحانی شخصیت اور عوامی مقبولیت ہی تھی کہ آپ کے مقابلے میں کوئی بھی امیدوار سامنے نہ آیا اور فارم بھرنے کی آخری تاریخ کو آپؒ اسمبلی کے لئے بلا مقابلہ منتخب قرار دیے گئے۔

۱۹۵۷ء میں شیخ محمد عبداللہ کی رہائی اور امیر القوم کی اُن سے ملاقات

شیخ محمد عبداللہ صاحب ۹/ اگست ۱۹۵۳ء کو گرفتار کیے گئے تھے اُس کے بعد ایک عرصے تک پنڈت جواہر لعل نہرو کشمیر نہیں آئے۔ اُن کی خواہش تھی کہ کسی طرح شیخ صاحب سے سمجھوتہ ہو جائے۔ ۱۹۵۷ء میں نہرو کی بہن وجے لکشمی پنڈت اس مشن پر کشمیر آئیں مگر ریاستی سرکار نے اُن کی اس کوشش کو توڑ نہ چڑھنے دیا ان حالات

میں دسمبر ۱۹۵۷ء کے آخری ہفتے میں پنڈت جواہر لعل نہرو سرینگر آئے یہاں عوامی وفود اور کئی اہم شخصیات سے ملے جن میں امیر القوم میاں نظام الدین بھی شامل تھے۔ آپؒ نے بچی باتیں اُن کے مُنہ پر کہہ دیں اور شیخ صاحب کی گرفتاری اور اُس کے بعد کے تناظر پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا۔ پنڈت جی صاحب موصوف کا بڑا احترم کرتے تھے اُنھوں نے تحمل کے ساتھ امیر القوم کی باتیں سنیں اور یقین دلایا کہ ''جلد ہی آپ اچھی خبر سُنیں گے۔'' آپؒ نے پنڈت جی کو مشورہ دیا کہ ''وہ فوراً شیخ محمد عبداللہ کو رہا کرائیں'' تا کہ کشمیر کے بگڑے ہوئے سیاسی تناظر پر قابو پایا جا سکے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن ایک میٹنگ میں پنڈت جی نے کہا کہ ''مجھے شیخ صاحب کی گرفتاری کا نہایت رنج ہے۔ اسی لیے میں اُن کی عدم موجودگی میں کشمیر نہیں آیا۔'' اُنھوں نے پھر شیخصاحب کی رہائی کا ہلکا سا اشارہ دیا اور واپس دلی چلے گئے اُن کے جانے کے چند دن بعد ۸رجنوری ۱۹۵۸ء میں شیخ صاحب کو کد جیل سے رہا کر دیا گیا۔ جب شیخ صاحب رہا ہوئے تو اُس وقت امیر القوم جموں میں تھے۔ آپ نے شیخ صاحب کے رہا ہونے کی خبر سُنی تو بے حد خوش ہوئے شیخ صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے اُن کے گھر سرینگر تشریف لائے آپ کے ہمراہ میاں بشیر احمد صاحب بھی تھے۔ یہ ملاقات مولانا محمد سعید مسعودی نے طے کرائی تھی جو ملاقات کے وقت شیخ صاحب کی کوٹھی پر موجود تھے حضرت میاں بشیر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ ''میں اور مسعودی صاحب پہلی منزل پر رہے جبکہ قبلہ امیر القوم شیخ صاحب سے ملنے بالائی منزل پر چلے گئے چونکہ دونوں کے درمیان ۱۹۳۲ء سے لے کر باہمی تعلقات گہری دوستی اور روابط تھے اس لیے دونوں میں گلے شکوے ہوئے سیاسی معاملات پر تفصیل سے گفتگو ہوئی اور آگے کے لائحہ عمل پر غور ہوا۔ جب یہ ملاقات ایک گھنٹہ سے تجاوز کر گئی تو میں اور مولانا محمد سعید مسعودی صاحب بھی اُن کے روبرو ہوئے شیخ صاحب کے ساتھ ملاقات کی اور بہت سے امور پر دونوں رہنما آپس میں متفق ہوئے لیکن اس سے پہلے کہ سیاسی معاملے آگے بڑھتے شیخ محمد عبداللہ ۲۹ راپریل ۱۹۵۸ء کو پھر سے گرفتار کر لئے گئے اور سیاسی تعطل جاری ہو گیا۔[1]''

---

[1] آتش چنار، شیخ محمد عبداللہ، [2] میاں بشیر احمد

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء کے دوران امیر القوم کی مصروفیات اور طرزِ عمل [1]

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۲ء کے دوران اگرچہ امیر القوم ریاستی قانون ساز اسمبلی کے رُکن تھے لیکن اُس وقت کے سیاسی تناظر کے پیشِ نظر اپنے آپ کو سیاسی معاملوں سے دور رکھتے تھے۔ اکثر سرینگر کے محلہ دانا بازار چھتہ بل میں واقع اپنے دو منزلہ مکان میں قیام کرتے اور پہاڑی علاقوں سے آنے والے اپنے لوگوں سے ملتے اور اُن کے مسائل کو حل کرانے کے لئے سرگرم اور متحرک رہتے تھے اُس زمانے میں لسانہ کے چودھری غلام حسین لسانوی صاحب بھی ایم، ایل، سی ہوا کرتے تھے اور سرینگر میں آپؒ کے پاس ہی قیام کرتے تھے۔ حاجی محمد اسرائیل کھٹانہ صاحب بھی اکثر آیا کرتے تھے اور آپ کے پاس آنے والے عقیدت مندوں شیدائیوں اور ضرورت مندوں کا میلہ لگا رہتا تھا۔ وہ فرداً فرداً لوگوں سے ملتے۔ دیر تک اُن کے مسائل کو سنتے اور پھر ان مسایل کو حل کرانے کے لئے اُن کے ساتھ جاتے تھے۔ اکثر مولانا محمد سعید مسعودی آپ سے ملاقات کے لیے آیا کرتے تھے دونوں کے درمیان عالمانہ باتیں ہوا کرتی تھیں اور سیاست پر تبصرے ہوتے تھے۔ آپ خود بہت بڑے عالم تھے اور علم شریعت پر گہری نظر رکھتے تھے دین کے معاملوں میں اکثر مولانا صاحبان آپ سے رہنمائی اور فیضان حاصل کرتے تھے۔ مہمان نوازی میں آپ کا جواب نہ تھا۔ آپ سب سے زیادہ خوش اُس وقت ہوتے جب درگاہ پر آنے والے مہمانوں کی اچھی خدمت ہوتی اور بہتر سے بہتر سلوک ہوتا اور انھیں اچھے سے اچھا آرام دیا جاتا اگر کسی کو تھوڑی سی بھی شکایت ہوتی تو وہ سخت ناراض ہوتے آپ کو ملنے کے لئے وزیر گھر آتے تھے لیکن آپ کو اُن سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی لیکن جو بے سہارا ہوتا اُس کی خدمت کے لئے ہر وقت تیار رہتے دربار پر بڑے بڑے لوگوں کی وہ پذیرائی نہ ہوتی جو غریب لوگوں کی ہوا کرتی تھی۔

---

[1] بشیر احمد کوہلی چنڈک پونچھ

جب دربار (لار) پر ہوتے تو دن میں دو بار مجلس میں آتے صبح عبادت اور ریاضت سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں میں آپ جاتے تھے۔ عقیدت مندوں سے ملتے اُن کے مسائل کو سنتے لوگ اپنا دُکھ درد بیان کرتے بیماری سے لے کر دینی معاملات اور حکومت کے کاموں تک کی فریاد لے کر آتے تھے۔ آپ ہر ایک مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل نکالتے دم کرتے تعویز دیتے، شرعی مسائل پر کھل کر بات ہوتی بات لوگوں کی مادری زبان میں کہتے انداز اتنا میٹھا ہوتا کہ بات لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتی تھی اکثر وہ لوگوں سے کہتے دین پر چلو، نماز پڑھو، روزے رکھو، سچ کہو اور حلال کھاؤ اگر علما کے وفود ہوتے تو دینی معاملوں پر بات ہوتی پونچھ سے جب چودھری خُدا بخش زاؔر پڑاٹ کے راج محمد، سید حاکم شاہ، سید باغ حسین شاؔہ وغیرہ دربار پر آتے تو اکثر صوفیانہ مجالس منعقد ہوتیں۔ آپؒ شعرا کا صوفیانہ کلام سنتے اور پھر اپنا کلام سُناتے آپ کے شعروں میں شرینی، رمزیں اور لطافت ہوتی تھی آپ کے کلام کو عام آدمی سنتا تو اُسے دوسرا مفہوم ملتا۔ دین سے جوڑ کر دیکھیں تو اُس کا مطلب شرح اور سنت کے مطابق ہوتا عوامی طور سے دیکھیں تو آپ کے شعروں میں عوامی زندگی کی جھلک نظر آتی تھی۔ جرگے لگتے تو لوگ اکٹھے ہوتے اکثر مولوی صاحبان کو بھی بُلا لیا جاتا۔ فریقین اپنا اپنا معاملہ پیش کرتے مسائل پر بحث وتمحیص ہوتی۔ پھر دین اور شرح کی روشنی میں ایسا فیصلہ سُنایا جاتا جو سب کے لئے قابل قبول ہوتا تھا۔ بڑی پاک صاف اور سادہ زندگی گزارتے تھے۔ آپ بڑے خوش طبع مہربان اور شفیق تھے۔ آپ ایسے لوگوں سے بھی پیار کرتے تھے جن کی کوئی حیثیت نہ ہوتی۔

آثار شریف حضرت بل کا سانحہ

۲۷-دسمبر ۱۹۶۳ء کو صبح کے وقت آثار شریف حضرت بل کے نشان دے رحیم بانڈے صاحب جب اُس کمرے کی طرف بڑھے جہاں لکڑی کی ایک الماری میں موئے مقدس کو احترام کے ساتھ رکھا گیا تھا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ کمرے کا تالا ٹوٹا ہوا ہے اور اندر سے موئے مقدس غائب ہے۔ موئے مقدس کی گمشدگی کی خبر آگ کی طرح ساری ریاست میں پھیل گئی ریاست کے شہروں قصبوں اور گاؤں میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے اور زبردست احتجاج شروع کردیا یہ احتجاج ۴ر جنوری ۱۹۶۴ء شام پانچ بجے تک جاری رہا۔

جب تک کہ موئے مقدس کی بازیافت نہ ہوئی۔ اُس وقت موصوف علاقہ راجوری کے گاؤں منگوٹہ میں تھے میاں بشیر احمد صاحب بھی آپ کے ساتھ تھے جس روز موئے مقدس کی گم شدگی ہوئی اُس رات میاں بشیر احمد صاحب نے ایک متحیر خواب دیکھی اور بہت پریشان ہوئے پھر وہ اُس مکان میں گئے جہاں میاں نظام الدینؒ صاحب ریاضت میں محو تھے اور وظائف کر رہے تھے موصوف نے میاں صاحب سے آنے کی وجہ پوچھی تو اُنھوں نے اپنی خواب میں پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا آپؒ نے فرمایا ''ایک بار پھر سُناؤ'' میاں صاحب نے پھر خواب بیان کی تو موصوف کی طبیعت بے چین ہوگئی اِتنے میں موئے مقدس کی گمشدگی کی خبر بھی افشاں ہوگئی جس کے باعث موصوف کو زبردست رنج اور پشیمانی ہوئی آپ نے فرمایا کہ ''میرا راجوری کے علاقے کا دورہ اب ملتوی ہوگا اور اب میں کسی سے نہیں ملوں گا'' پھر حضرت منگوٹہ راجوری سے لسانہ پونچھ آگئے جب کہ میاں بشیر احمد صاحب موئے مقدس کی بازیافت کے لئے سرنکوٹ میں ہونے والے احتجاجی جلسوں میں شریک ہوتے رہے اور اس مشکل گھڑی میں برادران اسلام کے رنج والم میں شامل رہے پھر ۴-جنوری ۱۹۶۴ء کی شام پانچ بجے جب موئے

مقدس[42] کی بازیافت ہوئی تو سب نے راحت کی سانس لی اور دُعائیہ مجلس منعقد کر کے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ لیکن اس سانحہ نے ایک اور گہرا زخم میاں نظام الدین صاحب کو دیا تھا[1]

[42] رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا موئے مقدس ہندوستان کے تاجدار شاہ جہان کے عہد میں ۱۶۳۵ء میں سید عبداللہ اور اُس کے بیٹے سید حمید مدینہ شریف سے ہندوستان لائے تھے۔ مدینہ منورہ میں ان کے وہاں کے حکمرانوں کے ساتھ اختلاف پیدا ہو گئے تھے اور وہ موئے مقدس کے ساتھ ہجرت کر کے ہندوستان وارد ہوئے تھے۔ اور بیجاپور میں آ گئے تھے جب بیجاپور کے بادشاہ کو علم ہوا کہ سید عبداللہ کے پاس پیغمبر اسلام ﷺ کا موئے مقدس ہے تو اُس نے سید عبداللہ کو جاگیر سے نوازا اور ایک خوبصورت مکان بنوا کر دیا۔

۱۶۸۶ء میں شہنشاہ اورنگ زیب نے بیجاپور پر حملہ کر کے وہاں کی حکومت کو ختم کر دیا تو سید عبداللہ کی جاگیر بھی جاتی رہی۔ سید عبداللہ اُس وقت فوت ہو چکے تھے اس لئے اُن کے صاحبزادے نے موئے مقدس کو اپنی تحویل میں لے کر جہان آباد آ گئے۔ جہان آباد میں سید حمید کی ملاقات ایک کشمیری تاجر نورالدین اشوائی سے ہوئی دونوں میں دوستی ہو گئی جب اشوائی کو علم ہوا کہ سید حمید کے پاس موئے مقدس ہے تو اُس نے اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے کسی طرح سید حمید سے موئے مقدس حاصل کر کے اپنی تحویل میں لے لیا اور اپنے خادم میدانش کے ساتھ فوراً کشمیر کی طرف روانہ ہو گیا۔

اشوائی جب لاہور پہنچا تو شہنشاہ اورنگ زیب کو علم ہوا کہ نورالدین اشوائی کی تحویل میں رسول اکرم ﷺ کا موئے مقدس ہے اور رنگ زیب نے نورالدین اشوائی کو گرفتار کروالیا اور موئے مقدس کو درگاہ اجمیر شریف میں بھیجنے کے احکام صادر فرمادیئے کچھ دنوں کے بعد اورنگ زیب کو ایک غیبی طاقت نے خواب میں جلوہ دکھایا اور حکم دیا کہ موئے مقدس کو واپس اشوائی کو دے دیا جائے تاکہ کشمیر لے جایا جاسکے دوسرے دن شہنشاہ نے نورالدین اشوائی کو طلب کیا لیکن وہ موئے مقدس کے چھن جانے کے غم میں رحلت فرما چکا تھا پھر شہنشاہ نے اُس کے خادم میدانش کو بلایا اور کہا کہ موئے مقدس کو کشمیر لے جائیں ۱۷۰۰ء میں کشمیر وارد ہوا اور شوپیاں پہنچا جہاں موئے مقدس کا استقبال کشمیر کے مغل گورنر میر فضل خان نے کیا پہلے موئے مقدس کو خانقاہ نقشبند میں رکھا گیا پھر جھیل ڈل کے کنارے واقع باغ صادق خان میں منتقل کیا گیا جہاں موجودہ آثار شریف حضرت بل قائم ہے۔

[1] My, years with Nerhu - Kashmir by B.M.Malik

۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۴ء کے دوران اسمبلی کے واقعات[1]

حضرت میاں نظام الدینؒ کی روحانی، دینی اور سماجی شخصیت اور قد کے لحاظ سے اسمبلی میں سب آپ کا ادب اور احترام کرتے تھے۔ عزت کے باعث آپؒ کی نشست اُس وقت کے وزیر اعظم نے اپنے قریب رکھوائی ہوئی تھی۔ اُس وقت کٹھوعہ سے چُن کر آئے ٹھاکر رندھیر سنگھ کو فخر حاصل ہے کہ وہ آپ کے پہلو میں بیٹھتے تھے۔ وہ ایک گفتگو میں بتاتے ہیں۔ کہ حضرت کے ساتھ مصافحہ کرتے وقت بڑی گرماہٹ کا احساس ہوا تھا وہ ایک شفیق مہربان اور خُدا دوست شخصیت تھے۔ اُن کے چہرے سے روحانیت کا جلال ٹپکتا تھا۔ ایسی متاثر کُن شخصیت کے پہلو میں بیٹھنے کی وجہ سے میں اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب سمجھتا تھا وہ جب اسمبلی میں آتے تو کوٹ کی جیب میں خشک پھل اور میوے لایا کرتے تھے اور قریب بیٹھے ممبروں میں اس محبت سے بانٹتے جیسے درگاہ پر تبرک بانٹتے ہیں۔ آپ جب اسمبلی میں بولتے تو سب بڑی خاموشی کے ساتھ آپ کی باتیں سنتے تھے۔ آپؒ کی باتوں میں وزن ہوتا تھا۔ حکومت آپ کی طرف سے اُٹھائے گئے مدعوں پر سنجیدگی سے غور کرتی تھی۔ آپ اکثر ریاست کے پہاڑی علاقوں میں آباد پچھڑے ہوئے پسماندہ اور خانہ بدوش قبائل کے مسائل کو اُبھارتے اور اُن کے حل کے لئے پیش پیش رہتے تھے۔ ایک بار اسمبلی کا اجلاس جاری تھا ٹھاکر رندھیر سنگھ بار بار اُٹھ کر کوئی بات کہنا چاہتے تھے۔ موصوف جو اُن کے قریب بیٹھے ہوئے تھے نے ٹھاکر رندھیر سنگھ کو ٹوکا اور کہا کہ ”آپ نئے نئے اسمبلی میں آئے ہو اور اجلاس کے ضابطوں سے ناواقف ہو۔ اس طرح اجلاس میں خلل مت ڈالو جب“ ٹھاکر رندھیر سنگھ نے انھیں بتایا کہ اُن کے علاقے کے خانہ بدوش قبائل کا یک وفد اسمبلی کے باہر کھڑا ہے اور اُن کے مسائل کے بارے میں حکومت کی توجہ دلانی مقصود ہے تو موصوف ٹھاکر صاحب سے بڑے متاثر ہوئے حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا کہ ”غریبوں کے مسلوں کو اسی طرح اُٹھانا چاہیے۔“ پھر وہ ٹھاکر صاحب کو اجلاس کے دوران ہی وزیر اعظم کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ ”اِن کو سُنیں اور مسئلے کو حل کریں۔“ ۶۴-۱۹۶۳ء میں ریاست میں سیاسی اُتھل پُتھل کے بعد حضرت نے اپنے آپ کو سیاست سے بالکل الگ کر لیا۔ اُنھوں نے اسمبلی میں آنا بہت کم کر دیا۔

---

[1] ٹھاکر رندھیر سنگھ سابقہ وزیر اور ایم۔ ایل۔ اے

۶۵-۱۹۶۴ء میں آپ کا حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جانا

اسلامی شرع کے مطابق حج بیت اللہ کو پانچواں رُکن مانا گیا ہے اور ہر اُس مسلمان پر فرض ہے جو اس کی توفیق رکھتا ہو۔ چنانچہ ۱۹۶۴ء کے آخری ہفتے میں اہلیہ محترمہ غلام فاطمہ صاحبہ اور بیٹے میاں جُنید نظامی صاحب کے ساتھ سفر محمود پر روانہ ہوئے۔ حضرت میاں بشیر احمد نے دیگر اہل خاندان اور عقیدت مندوں کے سمیت پٹھان کوٹ ریلوے اسٹیشن پر آپؒ سے الوداع کہی۔ بمبئی تک ریل میں سفر طے ہوا وہاں سے ایس، ایس مظفری جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچے پھر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور حج کے دوران تمام واجب رسمیں ادا کیں۔

ہر سال حج کے ایام میں سعودی عرب کا شہنشاہ خادم جسے حرمین شریفین بھی کہا جاتا ہے خانہ کعبہ کو غُسل دینے احرام باندھنے اور غلاف چڑھانے کی رسم ادا کرتے ہیں۔ یہ غلاف ریشم اور سونے کی تاروں سے بنا ہوتا ہے۔ خانہ کعبہ کے غُسل کی رسم کے دوران سعودی عرب کا بادشاہ اپنے ہاتھ سے فرش دھوتے ہیں اور اُن کے ساتھ دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے معزز مہمانوں اور برگذیدہ ہستیوں کو بھی غسل کی رسم میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے اُس سال ہندوستان کی طرف سے جن زائرین کو اس رسم میں شرکت کی دعوت ملی اُن میں حضرت میاں نظام الدین بھی شامل تھے چنانچہ جس ہوٹل میں موصوف قیام کر رہے تھے وہاں مکہ کا گورنر آیا اور حضرت کو اس رسم میں شامل کرنے کے لئے اپنے ساتھ لے گیا۔ پھر حضرت موصوف کو سعودی عربیہ کے شاہ عبدالعزیز کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو غُسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حج بیت اللہ کے بعد حضرت مکہ معظمہ سے مدینہ شریف تشریف لے گئے وہاں ہر حاجی پر ایک ہفتہ رُکنے اور چالیس نمازیں ادا کرنا فرض ہوتا ہے لیکن حضرت نے ڈیڑھ ماہ تک مدینہ شریف میں قیام کر کے عبادت و ریاضت کی منزلیں طے کیں اسی دوران مدینہ شریف کی مسجد نبوی ﷺ کے امام صاحب کو خواب میں غیب کی طرف

سے اشارے ملے کہ یہاں کشمیر سے آئے ہوئے حضرت میاں نظام الدین لاروی تشریف رکھتے ہیں۔اُن کا خاص خیال رکھا جائے چنانچہ دوسرے دن امام صاحب نے باآواز بلند موصوف کا نام لے کر انھیں اپنے پاس بلایا اور خواب کا ذکر کیا آپؒ نے امام صاحب سے فرمایا کہ ''اس راز کو راز ہی رکھا جائے اور اس کی تشہیر نہ کی جائے'' پھر امام صاحب نے آپؒ کو تحائف سے نوازا اور رُخصت کیا سجادہ نشین حضرت میاں بشیر احمد آپؒ کے مدینہ شریف کے واقعات کو یوں بیان کرتے ہیں[1]۔

''حضرت میاں نظام الدینؒ ۶۵-۱۹۶۴ء میں حج بیعت اللہ شریف کے لئے تشریف لے گئے اور دیارِ حبیب ﷺ میں حاضری دے کر اجر دارین حاصل کیا۔ اور وہ اعزاز حاصل کیا کہ مسجد نبویؐ کے امام صاحب نے باآواز بلند پکار کر کہا کہ ''یہ مہمان رسول اللہ ﷺ ہیں اور مجھے سرکار دو عالم خاتم الانبیا ﷺ کا حکم ہوا ہے۔ کہ ان کی تعظیم کی جائے یہ شیخ طریقت ہیں۔ سرکار دو جہان کے منظور نظر اُمتی اور اللہ کے مقبول بندے ہیں اور فرمان نبویؐ کے مطابق اُن سے خلوص اور پیار ہے۔''

مدینہ شریف میں قیام کے بعد حضرت باباصاحبؒ واپس مکہ معظمہ میں تشریف لائے اُس وقت شیخ محمد عبداللہ بھی حج بیعت اللہ کے سلسلے میں اپنی اہلیہ محترمہ اکبر جہان اور مرزا محمد افضل بیگ کے ساتھ مکہ معظمہ میں ہی قیام پذیر تھے اور اُسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے جہاں حضرت باباصاحب کے رہنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ شیخ صاحب اور حضرت باباصاحبؒ کے درمیان کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ فریضہ حج کے بعد حضرت باباصاحبؒ بحری راستے سے بمبئی تشریف لائے بمبئی سے بذریعہ فرنٹیر میل پٹھان کوٹ تشریف لائے جہاں حضرت میاں بشیر احمد عقیدت مندوں کی بڑی جماعت کے ہمراہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ پٹھان کوٹ سے جموں پہنچے اور ڈاک بنگلہ میں قیام کیا۔ دوسرے دن ریاست جموں کشمیر کے وزیراعظم خواجہ غلام محمد صادق، سید میر قاسم اور محمد ایوب خان مبارکباد دینے آئے اور حضرت باباصاحبؒ کے ساتھ ضیافت میں شرکت کی۔ حج کے بعد عقیدت مندوں نے آپ کو حاجی باباصاحب نے خطاب سے نوازا۔ حج سے واپسی کے بعد آپ نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور دنیاوی امور سے قطع تعلق کر لیا تھا[2]۔

[1] حضرت میاں بشیر احمد..... [2] چودھری اقبال مقیم

یادِ خُدا اور ذکرِ حبیب ﷺ آپ کا مشغلہ بن چُکا تھا خلقِ خُدا کو آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت فرماتے تھے واعظ و تبلیغ اور اطاعت خُداوندی ذکر خُدا کی ہدایت کرتے تھے آپ صوم وصلواۃ کی پابندی کی علامت تھے اور فیوض وبرکات کے داتا بن چکے تھے۔ لاکھوں تشنہ گان معرفت راہ ہدایت کے پیاسے آپ کے ارگرد پروانہ وار رقصاں رہتے آپؒ راہ سلوک کی طرف ذکرِ الٰہی کی ضرب اور دیگر امور شریعت اور بیعت سے ہر طالب کو مستفید کرتے تھے۔ آپؒ کی مجلس میں بیٹھ کر اللہ کی محبت ہر دل میں موجزن ہوتی تھی۔

۱۹۶۵ء میں حضرت موصوف سے منسوب ایک حیران کُن واقعہ[1]

زیارت سید قمر الدین گاندربل سے وابستہ صوفی عبدالرحمان فرماتے ہیں کہ "اللہ والے کی پہچان یہ ہے کہ جب تم اُس کا چہرا دیکھو تو اللہ یاد آجائے اُس وقت سمجھ لو کہ وہ اولیا اللہ ہے۔ میں اکثر دربار شریف پر حاضری دینے اور حضرت میاں نظام الدینؒ کے دیدار کرنے آیا کرتا تھا۔ جب بھی میری آنکھیں اُن سے ملیں تو اللہ کا تصور میرے اندر جاگ اُٹھا میاں نظام الدینؒ پیر بھی تھے۔ مسیحا بھی تھے، اور مہربان بھی تھے، اُن کی ہر بات دین اور اسلام کے ترازو پر تلی ہوتی تھی۔

۱۹۶۵ء کے دوران جب ریاست کے اندر سرحد پار سے دراندازی جاری تھی تو گاندربل پولیس تھانے سے سات بندوقیں اور اسلحہ چوری ہوگیا۔ تحقیقات کے بعد وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو محکمہ سُراغ رسانی نے بتایا کہ یہ ہتھیار سیاسی اور مذہبی رہنماؤں کو نشانہ بنانے کے لئے استعمال میں لائے جاسکتے ہیں۔ صادق صاحب نے گاندربل سے صوفی عبدالرحمان کو بُلایا جن کے ساتھ اُن کے خاندانی تعلقات تھے اور صوفی صاحب سے کہا کہ وہ وانگت جائیں اور میاں بشیر احمد صاحب سے ملاقات کر کے اُنھیں میری طرف سے کہیں کہ اِن نامساعد حالات میں احتیاط سے چلیں۔ صوفی عبدالرحمان وانگت آئے لیکن میاں صاحب کنگن گئے ہوئے تھے۔ البتہ حضرت حاجی بابا درگاہ شریف پر رونق افروز تھے۔ اللہ اللہ کا وِرد جاری تھا اور مریدوں سے گھرے ہوئے تھے کچھ عرصہ کے بعد آپؒ صوفی صاحب کی طرف متوجہ ہوئے صوفی صاحب نے اُن سے مصافحہ کیا اور دست مبارک پر بوسہ دیا

[1] صوفی عبدالرحمان سے دربار لار پر اکتوبر ۲۰۱۰ء میں ایک ملاقات

حضرت نے صوفی صاحب کو اپنی محبتوں اور نوازشوں سے سرفراز کیا اور اپنے قریب بیٹھایا اور اپنی طرف سے ہی ارشاد فرمایا کہ جس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہے۔ اُسے کہنا کہ ہم پہلے سے ہی باخبر ہیں۔ میرے نقشبند مشکل کُشا ہمیشہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ صوفی عبدالرحمان حضرت میاں نظام الدینؒ کی یہ بات سُن کر دنگ رہ گئے کہ جو بات صرف صادق صاحب اور صوفی صاحب کے درمیان ہوئی تھی۔ اُس کا انکشاف میاں نظام الدینؒ پر کس طرح ہو گیا یہ بہت بڑا اسرار تھا دوسرے دن صوفی عبدالرحمان سرینگر آئے اور صادق صاحب کی کوٹھی پر پہنچے۔ اُس وقت صاحب موصوف اپنے کمرے میں کچھ کاغذات کو پڑھ کر اُن پر احکام لِکھ رہے تھے پھر وہ صوفی عبدالرحمان کی طرف مُڑے اور دریافت کیا کہ وانگت گئے تھے۔ صوفی صاحب نے وانگت شریف میں پیش آنے والا سارا واقعہ بیان کیا جوں ہی صادق صاحب نے یہ حیران کُن واقعہ سُنا تو قلم اُن کے ہاتھ سے گر گیا اور کہنے لگے کہ "حضرت میاں نظام الدینؒ کی روحانیت کے بارے میں پہلے مجھے اتنا علم نہ تھا مگر اب یقین ہو گیا ہے۔ کہ وہ مرد کامل اور ولی اللہ ہیں" پھر فرمانے لگے کہ "صوفی صاحب میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپؒ نے مجھے میاں نظام الدینؒ کے روحانی مرتبے سے آشکارہ کر دیا ہے۔"

میاں بشیر احمد صاحب کو عوام میں اعتماد کی بحالی کیلئے راجوری اور پونچھ روانہ کرنا

۱۹۶۵ء میں جب حالات خراب ہوئے تو ریاست کے پہاڑی علاقوں کے مکینوں کو سخت نقصانات اُٹھانے پڑے کیوں کی لڑائی کے ساتھ ساتھ سرحد کے اندرونی علاقوں میں بھی تضاد شروع ہو گئے۔ اور ریاست کے گاؤں قصبوں، ڈھوکوں، مرگوں میں دراندازوں اور فوج کے درمیان مقابلے ہونے لگے۔ پھر ستمبر ۱۹۶۵ء کی لڑائی کے خاتمے اور کشمیر میں جنگ بندی کے بعد بھی ایک عرصے تک اندرونی علاقے خاص کر ضلع پونچھ اور راجوری کے پہاڑی خطوں میں تصادم ہوتے رہے جس گھر یا علاقے سے گولی چلتی وہاں فوج کی طرف سے حملہ ہو جاتا اور دراندازوں کے ساتھ عام لوگ بھی نشانہ بنتے ان حالات میں سینکڑوں مقامی لوگ مارے گئے ہزاروں گھر جل گئے اور عوام کو نہایت سنگین صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جس کے باعث گاؤں اور قصبوں سے نقلِ مکانی شروع ہو گئی اور

راجوری و پونچھ کے ہزاروں خاندان سرحد پار کر کے دوسری طرف چلے گئے باقی ماندہ بھی ہجرت کی سوچ رہے تھے انتظامیہ ختم ہو چکی تھی ہر طرف افراتفری کا ماحول تھا۔ عوام کا حکومت سے اعتماد اُٹھ چکا تھا ان حالات میں اُس وقت کے وزیر اعلیٰ نے حضرت میاں نظام الدینؒ سے استدعا کی کہ آپ کے خاندان اور درگاہ شریف کے متعلقین کا علاقہ پونچھ راجوری کے عوام کے ساتھ پیری مریدی کا رشتہ ہے اور اس وقت جب اِن لوگوں کا اعتماد متزلزل ہو چکا ہے آپ کا یا حضرت بشیر احمد صاحب کا پونچھ راجوری کے عوام کے پاس جانے سے اُن کا حوصلہ بڑھ سکتا ہے اور ہجرت رُک سکتی ہے۔ چنانچہ میاں نظام الدینؒ نے میاں بشیر صاحب کو علاقہ پونچھ اور راجوری میں گڈ دل مشن (Goodwill mission) پر روانہ کیا تا کہ عوام کو تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

میاں صاحب ۱۹۶۵ء کے آخری ہفتوں اور جنوری ۱۹۶۶ء میں پونچھ راجوری میں خیر سگالی اور اعتماد سازی کے لئے تشریف لائے آپ نے کالا کوٹ، بدھل، تھنہ منڈی، منجھا کوٹ، مہینڈر، سرنکوٹ اور پونچھ کا تفصیلی دورہ کیا عوام سے رابطے قائم کیے اُن کے مسائل اور مصائب کو حکام بالا تک پہنچایا۔ حفاظتی دستوں کی طرف سے زیادتیوں کے بارے میں آواز اُٹھائی اور اُنھیں رُکوانے میں کامیابی حاصل کی مذہبی مجالس اور قبائلی جرگے منعقد کر کے امن کی طرف اقدامات اُٹھائے جس کے باعث ہجرت رُک گئی پہاڑوں سے لوگ گھروں میں آ گئے۔ یہ آپ کے دورہ خیر سگالی کا ہی نتیجہ تھا کہ نہ صرف لوگ پہاڑوں سے اُتر کر واپس اپنے گھروں میں آئے لوگوں میں تحفظ کی فضا قائم ہوئی۔ نہ صرف پُر امن ماحول کی بحالی میں مدد ملی بلکہ فروری تا اپریل ۱۹۶۶ء میں جب پونچھ اور راجوری کی سرحد پر پناہ گزینوں کے لئے سرحد پار سے واپس اپنے گھروں میں لوٹنے کے لیے راستے کھولے گئے تو قبلہ میاں صاحب کی کاوشوں سے کوئی ۱۵۰۰۰ خاندان جن کا تعلق حضرت بابا جی صاحبؒ کے روضہ اقدس سے تھا واپس وطن لوٹ آئے کیونکہ وہ اپنے پیر خانہ سے جُدائی برداشت نہ کر سکے۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کی سیاست سے کنارہ کشی[1]

حضرت میاں نظام الدینؒ ابھی حج بیعت اللہ کے لئے سعودی عربیہ میں ہی تھے کہ ریاست میں زبردست سیاسی اور انتظامی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ۲۶ رجنوری ۱۹۶۵ء میں نیشنل کانفرنس کو انڈین نیشنل کانگریس میں تحلیل کر دیا گیا اور ۳۰ رمارچ ۱۹۶۵ء کو ریاست کے آئین میں ترمیم کر کے وزیر اعظم اور صدر ریاست کے عہدوں کو گورنر اور وزیر اعلیٰ میں بدل دیا پھر دفعہ ۳۷۰ میں کئی تبدیلیاں لا کر اُسے کمزور کیا گیا حج بیعت اللہ کے بعد ویسے بھی حضرت میاں نظام الدینؒ کو سیاست سے دلچسپی نہ رہی تھی اور پھر نیشنل کانفرنس جماعت جس کے ساتھ حضرت کی ۱۹۳۲ء سے ہی دلچسپی تھی اور ۱۹۴۷ء کے بعد باضابطہ اس کے رُکن رہے تھے اُس کے کانگریس میں مدغم ہو جانے اور وزیر اعظم وصدر ریاست کے عہدوں کے ختم ہو جانے جیسے واقعات حضرت کی سوچوں اور مزاج کے مطابق نہ تھے کیوں کہ یہ دونوں عہدے اور نیشنل کانفرنس کشمیر کی پہچان اور شناخت کی علامت اور اس کے تشخص وسرداری کے ضامن تھے ان حالات نے آپ کو سیاست سے نہایت مایوس کر دیا اور سیاست سے دل اُچاٹ ہو گیا۔ آپ نے سیاست سے کنارہ کشی کا فیصلہ کر لیا اور سارا وقت عبادت اور ریاضت میں لگا دیا اب سیاسی لوگوں سے بہت کم ملتے تھے فقط دینی مجالس میں آتے مسائل اور شریعت پر گفتگو کرتے ذکر واذکار ہوتا اور عقیدت مندوں کے درمیان رہتے انھیں بیعت کرتے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ پر کاربند رہنے کی تلقین کرتے روحانی طور پر بیماروں کو شفا بخشتے لوگوں کی فریاد سنتے اُن کے دُکھوں کا مداوا کرتے اور مریدوں کی سنگت میں رہتے اور باقی کا وقت دین اسلام کے مطالعہ اور عبادت میں گزارنے لگے۔

[1] (۱) آتش چنار (۲) حضرت میاں بشیر احمد (۳) تحریک حریت کشمیر مصنف رشید تاثر (۴) چودھری اقبال عظیم ، میاں جنید نظامی

حضرت میاں نظام الدینؒ کا ۱۹۶۷ء کے الیکشن میں چناو لڑنے سے انکار

۱۹۶۶ء میں ریاستی وزیراعلیٰ غلام محمد صادق نے میاں نظام الدینؒ کو پیغامات ارسال کیے کہ الیکشن کی آمد آمد ہے۔ آپ کانگریس کی ٹکٹ پر لڑیں اور ریاست میں جماعت کی قیادت کریں تاکہ پارٹی کو واضح اکثریت حاصل ہو سکے حضرت نے جواب ارسال کیا کہ میں نے سیاست ترک کر دی ہے۔ نہ تو چناو لڑوں گا نہ انتخاب میں حصہ لوں گا صادق صاحب کو حضرت کی عوامی مقبولیت اور روحانی شخصیت کا اچھی طرح علم تھا وہ حضرت کو کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے اسی دوران ۱۹۶۶ء میں کنگن میں کانگریس کی جانب سے ایک بہت بڑی ریلی کا اہتمام کیا گیا جس میں حضرت کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا۔ حضرت میاں نظام الدینؒ کی شرکت کی وجہ سے دس ہزار لوگوں کا اجتماع ہو گیا۔ اس جلسے کو خطاب کرتے ہوئے صادق صاحب نے کہا کہ ''میں نے بے حد کوشش کی ہے کہ حضرت حاجی بابا انتخاب میں حصہ لیں مگر یہ نہیں مان رہے۔ اب یہاں کے عوام پر منحصر ہے۔'' کہ آپ انھیں منائیں یہ سن کر لوگوں نے قبلہ حاجی بابا زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ حضرت اس حلقے میں عوام کی قیادت کریں۔ ان حالات میں حضرت میاں نظام الدینؒ مائیک پر آئے اور عوام سے یوں مخاطب ہوئے۔

''اے لوگو میں پندراں برسوں سے آپ کی نمائندگی کرتا آ رہا ہوں آپ نے مجھے بے حد پیار سے نوازا ہے۔ بے پناہ محبت دی ہے بے انتہا اعتماد کیا ہے جس کے لئے میں آپ کا مشکور اور ممنون رہوں گا۔ آپ سے میری صرف اتنی گزارش ہے کہ ان پندرہ برسوں میں میرے گھوڑے نے بھی اگر کسی کے گھاس کا تنکا تک کھایا ہو تو وہ مجھے بخش دیں میری وجہ سے اگر کبھی کسی کی دِل آزاری ہوئی ہو تو وہ مجھے بخش دیں میں نے کسی کے گھر پانی بھی پیا ہو تو وہ مجھے بخش دیں اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں نہ تو چناو لڑوں گا اور نہ سیاست میں حصہ لوں گا میں اپنے

فیصلے سے کسی طرح پیچھے نہیں ہٹوں گا کیوں کہ زندگی کی شام سے پہلے میں اپنا وقت عبادت وریاضت اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تبلیغ اور خدمت میں گزارنا چاہتا ہوں آج کے بعد میں کسی سیاسی جماعت میں شرکت نہ کروں گا کیوں کہ اب میری جماعت فقط اسلام ہی ہے اور میں اسی کے فروغ کے لئے کام کروں گا"۔[1]

اتنا کہہ کر حضرت بیٹھ گئے اور دس ہزار کے مجمے میں سے اکثر زاروقطار رورہے تھے اور باقی حاجی بابا زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند کر رہے تھے۔ اُن کا اصرار تھا کہ حضرت چناؤ میں حصّہ لے کر اُن کی نمائندگی کریں لیکن وہ کسی طرح نہ مانے اور فرمایا کہ "میں نے سیاست چھوڑ دی ہے اور آپ سب ملکر میرے حق میں دُعا کریں کہ آئندہ میں اللہ اللہ ہی کروں البتہ کنگن اسمبلی حلقہ سے آپ جس کو بھی نامزد کریں گے وہ مجھے قبول ہوگا۔

جب عوام نے دیکھا کہ حضرت کسی طرح نہیں مان رہے تو اُنھوں نے اصرار کیا کہ پھر میاں بشیر احمد صاحب کو اس حلقہ سے کھڑا کیا جائے حضرت نے فرمایا کہ "اگر یہ آپ کا فیصلہ ہے اور بشیر صاحب کو منظور ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس کے ساتھ ہی جلسے سے حضرت میاں نظام الدین ؒ کے ساتھ ساتھ میاں بشیر احمد صاحب کے حق میں بھی زوردار نعرے بلند ہونا شروع ہو گئے اور اسی جلسے میں فیصلہ ہو گیا کہ کنگن اسمبلی حلقہ سے میاں بشیر احمد صاحب چناؤ لڑیں گے۔ اس طرح ریاست جموں وکشمیر کی سیاست کے اُفق پر ایک نیا ستارہ طلوع ہوا جس کی روحانی عظمت، پاکبازی، دینی کاوشوں اور عوام دوستی کی خوشبو سے ریاست بھر کے عوام مستفید ہوئے اور لوگوں کو میاں بشیر احمد کی صورت میں ایسا رہنما مل گیا جو اُن کے دُکھ درد کا مداوا سیاسی رہبری، سماجی اصلاح اور روحانی نشونما کر سکتا تھا۔[2]

[1] میاں بشیر احمد صاحب ۔ [2] میاں جنید نظامی صاحب

میاں بشیر احمد صاحب کو کنگن اسمبلی حلقہ سے کانگریس کی ٹکٹ ملنا

ماہ جنوری ۱۹۶۷ء میں جب میاں صاحب کو کنگن اسمبلی حلقہ سے کانگریس کا منڈیٹ ملا تو پوری ریاست میں قبائل اور دیگر عوام نے نہایت خوشی کا اظہار کیا حضرت حاجی بابا کو بھی اطمینان تھا کہ میاں بشیر احمد عوام کی نمائندگی بہتر طور سے انجام دے سکتے ہیں۔ وہ روحانیت کی علامت بھی ہیں۔ اور عوام کے سیاسی، سماجی معاشی اور اقتصادی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں جس روز میاں صاحب اسمبلی کا منڈیٹ حاصل کرنے کے لئے سرینگر روانہ ہونے والے تھے والد محترم کی طبیعت نہایت شگفتہ تھی اور میاں نظام الدینؒ نے فرزندِ ارجمند میاں بشیر احمد کے ساتھ بڑی شفقت سے نوک جھونک کی میاں بشیر احمد صاحب اس گفتگو کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

''ہم اپنے گھر میں تھے ٹکٹ کا اعلان ہوا تو اُس وقت چودھری محمد اسلم لسانوی بھی میرے ساتھ تھے ہم حضرت میاں نظام الدینؒ کے حضور میں آئے ہم موصوف کے کمرے میں داخل ہونے کو تھے کہ وہ سامنے آگئے'' اور مجھے دیکھ کر ارشاد فرمایا ''کہاں چلے ہو'' ہم نے کہا سرینگر بلایا گیا ہے۔ اگر اجازت دیں تو ہم جائیں فرمانے لگے ''تمہیں کھڑپینچی کی عادت پڑھ گئی ہے'' میں خاموش ہو گیا سوچا شاید انکار کر دیں گے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ''بشیر تمہیں الیکشن اپنے لئے نہیں بلکہ دبے کچلے عوام کی بھلائی اور اُن کی رہبری کے لئے لڑنا ہے جو تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں فقط اتنا خیال رکھنا کہ سیاست میں اُسی حد تک دلچسپی لینا جس حد تک عوام کے دُکھ درد کو کم کر سکو اور اُن کے مسائل کو حل کر سکو تمہارا اصل کام اسلام کا فروغ ہونا چاہیئے''۔ میں نے کہا'' وہی کروں گا جو آپ چاہیں گے'' یہ سب سُن کر فرمانے لگے ''تمہیں وہ کرنا چاہیے جو رائے دہندگان چاہیں تمہیں پتہ ہے کہ عوام کے مسائل کیا ہیں اور اُن کو کیسے حل کرنا ہے۔ میں بھی تیرا ووٹر ہوں''۔ اب مجھے اطمینان ہوا کہ اس وقت

باباصاحبؒ مہربانی کے ساتھ بات کررہے ہیں میں نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا ''جناب کو تو ووٹر نمبرایک سمجھتا ہوں''۔ یہ سُن کر تھوڑا مسکرائے اور ارشاد فرمایا ''تو پھر میرا پہلا مطالبہ ہے کہ میرے گاؤں میں بجلی نہیں اور ایک ماہ کے اندر اندر بجلی آنی چاہئے ورنہ میں خود لوگوں سے کہوں گا کہ بشیر نے بجلی کا انتظام نہیں کیا۔اس لئے اسے ووٹ نہ دیا جائے اُس وقت حضرت کی طبیعت نہایت کھلی ہوئی تھی رخ دیکھ کر میں نے عرض کیا ''حضرت جوامیدوار میرے مقابل کھڑا ہوگا وہ کہے گا کہ بشیر کے والد پندرہ برسوں سے ریاستی اسمبلی کے ممبر تھے اور حزب اقتدار میں تھے وہ بجلی کیوں نہ لاسکے''۔ یہ سُن کر باباصاحبؒ پھر مسکرائے اور ارشاد فرمایا۔ ''بشیر مجھے پتہ تھا تو یہی کہے گا بس یہی میری کمزوری تھی کہ میں اپنے کام کے لئے کسی کو نہ کہتا تھا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی کام سونپا ہوا ہے اور وہ ہے۔ ''اللہ ھو'' کرنا اُس پاک پروردگار کی حمد وثنا کرنا میرے ساتھ حادثے بھی ہوئے تب بھی میں اللہ ھو ہی کرتا میں جب چھوٹا ہوتا تھا تب بھی بستر کے قریب سے مجھے **اللہ ھو** کی آوازیں آیا کرتی تھیں۔ میرا تو وہی کام تھا اُس کا میں نے امتحان دیا ہوا ہے۔ مگر تو نے گاؤں میں بجلی دینی ہے۔''

دوسرے دن ہم سرینگر گئے میں نے وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق سے ملاقات کی اور کہا کہ باباصاحب نے فرمایا ہے کہ ''چناؤ لڑنے سے پہلے گاؤں میں بجلی کا انتظام کرو''۔ یہ سُن کر صادق صاحب حیران ہوگئے اور پوچھا ''کیا واقعی آپ کے گاؤں میں بجلی نہیں''۔ پھر بولے باباصاحبؒ کے گھر بجلی نہیں تو ہمیں اقتدار میں رہنے کا حق بھی نہیں اُسی وقت پاور منسٹر سردار ہربنس سنگھ کو بُلایا اور چیف انجینئر کو طلب کیا پھر متعلقہ وزیر سے مخاطب ہو کر بولے وانگت میں بجلی فراہم کرنے کے احکامات آج ہی صادر کیے جائیں۔ اُسی وقت لاگت کا تخمینہ لگایا گیا اور صادق صاحب نے منظوری دے دی چند دنوں بعد جب میں وانگت گیا تو بجلی کے کھمبے آچکے تھے۔

جنوری ۱۹۶۷ء:۔ میں چناؤ کا اعلان ہوا تو میاں صاحب نے چناؤ مہم شروع کر دی آپ نے اپنی جماعت کیلئے اپنی سرگرمیوں کو نہ صرف کنگن تک محدود رکھا بلکہ پوری ریاست میں چناؤ مہم کو شدت کے ساتھ چلایا اور کانگریس پارٹی کے لئے بیش قیمت اثاثہ ثابت ہوئے کیوں کہ ریاست کے اکیس اسمبلی حلقوں میں دربار لار کے عقیدت مند حاوی تھے۔ اور ان سیٹوں پر میاں صاحب کے اثر و رسوخ کے باعث کانگریس کو جیت ملی جبکہ باقی اسمبلی حلقوں میں بھی آپ چناؤ مہم کے مثبت اثرات برآمد ہوئے حلقہ انتخاب کنگن سے چناؤ مہم کے بارے میں

میاں صاحب اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

۲۳-جنوری ۱۹۶۷ء:- آج صبح صبح پہلے سنمبل بالا تک عوام سے رابطوں کا سلسلہ جاری رہا پھر حمایتوں کے بہت بڑے ہجوم کے ساتھ کاغذات نامزدگی داخل کرانے کے لئے ریڈیننگ آفیسر غلام نبی نائیک کے دفتر پہنچے۔ فلک شگاف نعروں کے درمیان کاغذات داخل کیے کاغذات کی چھان بین ہوئی تو میرے مدِ مقابل کے کاغذات ضابطے کے مطابق درست نہ پائے گئے اس لئے مسترد کر دیئے گئے اور میں اسمبلی حلقہ کنگن سے بلا مقابلہ منتخب قرار پایا گیا۔ سیاست میں یہ میری پہلی جیت تھی پھر پرانے سیکرٹریٹ سے لے کر صادق صاحب کی قیام گاہ تک عوام ایک بہت بڑے جلسوس کی شکل میں مجھے لے گئے میں صادق صاحب سے ملا اور پھر عوام کا شکریہ ادا کیا۔

۲۵-جنوری ۱۹۶۷ء:- حلقہ انتخاب کنگن سے منتخب ہونے کے بعد سرینگر سے گھر آیا اماں جان اور غلام مریم بھی آگئیں وایل منی گام اور کنگن میں عوام نے بڑے بڑے جلسے کر کے میرا استقبال کیا۔ اور میں نے سب کا شکریہ ادا کیا مولانا عبدالرشید نے خانن تک ڈیوڑیاں لگوائی ہوئی تھیں۔ کنگن میں ہزاروں لوگ جلسے میں شامل ہوئے۔ پورا قصبہ ڈیوڑیوں اور جھنڈوں سے سجایا گیا تھا پھر وانگت آ کر حضرت قبلہ باباجی صاحبؒ کے روزہ اقدس پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور اُس کے بعد حضرت بابا صاحبؒ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اپنے مکان میں چلا گیا اس مُہم میں سب سے زیادہ کام جنید نظامی، صابری صاحب، نثار صاحب جیلانی صاحب اور میاں اسحاق صاحب نے کیا۔

۵-فروری ۱۹۶۷ اتوار:- آج راجوری میں چناؤ مُہم میں مشغول رہا رات فتح پور حاجی فضل دین کے گھر قیام ہوا۔ چودھری سائیں اور حاجی محمد حسین سے ملاقات ہوئی چودھری دیوان علی سے بھی ملنے گیا انھیں دیکھ کر افسوس ہوا نہایت لاغر ہو چکے ہیں۔ ۸۴، سال کی عمر ہے بڑے با مروت پُر خلوص اور نیک سیرت انسان ہیں۔[1]

---

[1] میاں بشیر احمد صاحب کی ڈائری

۱۹۷۰ء میں میاں بشیر احمد صاحب کی کاوشوں سے ریڈیو کشمیر سرینگر سے گوجری زبان کی نشریات کا آغاز

گوجری زبان کا منفرد تاریخی اور ثقافتی پس منظر ہے جو برِ صغیر میں عہد قدیم میں بولی جانے والی زبانوں میں شمار ہوتی ہے کچھ مورخ حضرت امیر خسروؒ کے کلام اور میرا بائی کے بھجنوں کو گوجری زبان کی ہی ایک صورت مانتے ہیں۔ گوجری زبان نے گجر عوام کی طرح زمانے کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہیں کبھی یہ زبان تہذیب یافتہ شہروں اور قصبوں میں رائج تھی کبھی راجاوں اور مہاراجاوں کے گھروں میں پلی بڑھی جوان ہوئی اور اس کا روپ نکھرا لیکن تیرویں صدی عیسوی کے بعد بیرونی یلغاروں کے باعث گجروں کے میدانی علاقوں سے پاؤں اُکھڑ گئے اور بیشتر گجر ہجرت کر کے پہاڑوں میں آئے تو سولہویں ستمرویں صدی عیسوی تک گجروں کے کچھ قبیلے ریاست جموں وکشمیر کے پہاڑی علاقوں میں بھی آ کر پناہ گزین ہو گئے۔

یہ وہ علاقے تھے جہاں تعلیم کا کوئی بندوبست نہ ہوتا تھا۔ اس لئے گجروں کی مادری زبان گوجری میں ادب تخلیق ہونا بند ہو گیا اور ایک عرصے تک گوجری عوام کی ماں بولی ہی بنی رہی اور عام بول چال کی زبان بن کر رہ گئی اگر چہ گُجروں سے اُن کے آبائی وطن معیشت اور دیگر سہولتیں چھن گئی تھیں لیکن اُنھوں نے اپنی زبان کو ہر دور اور ہر حال میں محفوظ رکھا اور اپنی پہچان کی علامت بنائے رکھا یہی وجہ ہے کہ ریاست کے ہر علاقے میں رہنے والے گُجر اپنی مادری زبان میں ہی بات کرتے ہیں اور یہی اِن کی شناخت کا باعث ہے۔ اگر چہ گوجری زبان لوک ورثے اور لوک شاعری کے لحاظ سے بڑی زرخیز ہے لیکن تحریری طور پر اس میں بیسویں صدی عیسوی تک کوئی قابلِ ذکر کام نہ ہوا ۱۹۴۷ء سے پہلے حضرت میاں نظام الدینؒ نے ریاست میں پنجابی صوفی شاعری کی تحریک کا آغاز کیا تو آپ نے صوفی شعرا اللہ بخش زار، سائیں قادر بخش وغیرہ کو گوجری میں شعر کہنے کی ترغیب بھی دی اور خود بھی گوجری زبان میں شعر لکھ کر گوجری کے فروغ کی بنیاد ڈالی لیکن آزادی کے بعد بھی ایک عرصے تک سرکاری

طور پر گوجری زبان کی ترقی کے بارے میں کوئی کام نہ ہوا البتہ ۷۰-۱۹۶۰ میں چودھری اقبال عظیم، نسیم پونچھی اور سروری کسانہ نے انفرادی طور پر گوجری زبان میں لکھنے پڑھنے کے سلسلے کو آگے بڑھایا ۱۹۶۷ء جب حضرت میاں بشیر احمد ریاستی اسمبلی میں ممبر منتخب ہوئے تو آپ نے گوجری زبان میں نشریات شروع کرنے اور کلچرل اکیڈیمی میں گوجری زبان کا شعبہ کھولنے کے لیے زوردار مہم چلائی۔ چونکہ قبلہ میاں صاحب کو مرکزی حکومت میں اچھا خاصہ اثر ورسوخ تھا چنانچہ ۱۹۶۹ء میں آپ نے دہلی میں اُس وقت کے وزیر اطلاعات ونشریات ڈاکٹر کیسکر سے ملاقات کر کے ریڈیو کشمیر سے گوجری کی نشریات کے بارے میں کہا چند دنوں بعد ڈاکٹر کیسکر سرینگر آئے تو میاں صاحب نے اُن کو دربار پر مدعو کیا۔ جہاں ڈاکٹر کیسکر کو گوجری تہذیب وثقافت کی جھلک دیکھنے کا موقع ملا وہ بے حد متاثر ہوئے اور اُنہوں نے ریڈیو کشمیر سرینگر سے گوجری زبان میں پروگرام نشر کرنے کے لئے مان لیا اس طرح ۱۹۶۹ء میں ریڈیو کشمیر سے گوجری لوک گیت نشر ہونے لگے لیکن کوئی باقاعدہ پروگرام نہ شروع ہوا۔ ۱۹۷۰ء میں میاں صاحب پھر دہلی گئے اور وزیر اطلاعات ونشریات اندر کمار گجرال سے ملکر پروگرام شروع کرنے پر زور دیا تاکہ اس زبان کے بولنے والوں کے تواریخی اور ثقافتی ورثے کو ریڈیو میں اپنا مقام مل سکے چنانچہ باقاعدہ پروگرام نشر کرنے کے لئے ریڈیو کشمیر سرینگر کے اسٹیشن ڈائریکٹر نند لعل چاولہ کی صدرات میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں حضرت میاں صاحب اور چودھری اقبال عظیم بھی ممبر تھے۔ اس کمیٹی کی تجویز دں پر ۱۹۷۰ء میں ریڈیو کشمیر سرینگر سے گوجری پروگرام شروع ہوا۔ اسٹیشن ڈائریکٹر نند لعل چاولہ نے قبلہ میاں صاحب سے استدعا کی اگر ریڈیو سے صحیح گوجری زبان میں پروگرام شروع کرانا ہے۔ تو انھیں چودھری اقبال عظیم صاحب کی خدمات درکار ہوں گی چودھری اقبال عظیم کا آڈیشن ہوا۔ آپ نے گوجری کے علاوہ انگریزی اُردو اور پنجابی زبانوں میں بھی آڈیشن پاس کیا اور پہلی بار ۱۹۷۰ء میں ریڈیو کشمیر سرینگر سے گوجری زبان میں چودھری اقبال عظیم کی آواز گونجی ''یہ ریڈیو کشمیر ہے'' ریاست کے گجر قبائل کو حضرت قبلہ میاں صاحب کی یہ اہم دین تھی۔[1]

[1] چودھری اقبال عظیم ، چودھری نسیم پونچھی

۱۵-فروری ۱۹۷۱ء کو میاں بشیر احمد کا بطور وزیر مملکت حلف برداری[1]

۱۹۶۷ء سے لیکر ۱۹۷۱ء تک حضرت میاں بشیر احمد نے جہاں حلقہ انتخاب کنگن کے عوام کی بھرپور نمائندگی کی وہیں ریاست کے دور دراز علاقہ جات خصوصاً راجوری پونچھ کے دورے کر کے عوام سے رابطے قائم کیے اُن کے مسائل کو سمجھا اور اُنھیں سُلجھانے کی انتھک کوشش کیں اُدھر گاؤں گاؤں میں مجالس منعقد کرنے عوام کو سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ اور دین اسلام کے رہنما اصولوں سے متعارف کرانے کی مہم بھی جاری رکھی۔ آپ کی اعلیٰ ذہانت، بلند کردار عوامی رُتبے اور جاہ جلال کے احترام کے طور پر ۱۹۷۱ء میں اُس وقت کے وزیر اعلیٰ نے آپ کو ریاستی وزارت میں نائب وزیر کے طور پر شامل کیا۔ آپ نے ۱۵، فروری ۱۹۷۱ء بروز سوموار کو اپنے منصب کا حلف اُٹھایا آپ کو محکمہ آبپاشی کا قلم دان سونپا گیا۔ ریاست بھر میں عوام نے آپ کے وزیر بننے پر خوشیاں منائیں حلف برداری کی رسم کے بعد آپ وانگت تشریف لائے تو ہزاروں لوگوں نے آپ کا استقبال کیا کچھ ہی دنوں کے بعد سات پھاگن کا عُرس تھا حاجی بابا صاحبؒ نے ایک ہفتہ پہلے میاں صاحب کو وانگت بُلا لیا ہزاروں کی تعداد میں مریدوں کی آمد شروع ہوگئی عرس والے دن حضرت میاں صاحب مہمانوں کی دیکھ ریکھ اور خاطر تواضع میں محو تھے۔ حضرت میاں نظام الدینؒ سے اصرار کرتے کہ میرے پاس بیٹھو مگر میاں صاحب مہمانوں کی خدمت میں منہمک تھے۔ حضرت میاں نظام الدینؒ سفید چادر کی بُکل مار کر خود باہر تشریف لائے اور برانڈے میں کھڑے ہو گئے اُس وقت میاں صاحب مہمانوں کے ہاتھ دھلوا رہے تھے حاجی بابا صاحبؒ میاں صاحب کی اس انکساری کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا۔ ''بشیر میں نے تجھے اسی لیے عرس کے دنوں میں روکا تھا کہ دیکھوں تجھ میں تکبر اور غرور تو نہیں آیا جب تک غریبوں کے ہاتھ دھلواتے رہوگے تب تک موج کروگے اور میری دُعائیں تمہارے ساتھ ہوں گی۔''

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد کی ڈائری، غلام جیلانی صاحب، میاں جنید نظامی صاحب

میاں صاحب نے اس دور میں ضلع پونچھ کے عوام کی دائمی ترقی کے لئے پرنئی اریگیشن پروجیکٹ کی منظوری دی جس سے ۳۹ میگا واٹ بجلی کے علاوہ تحصیل مینڈھر میں ۲۲۰۰۰ کنال اراضی آبپاشی ہونا مقصود تھی بدقسمتی سے آنے والی حکومتوں نے اس پروجیکٹ کو پس پشت ڈال دیا اور یہ ابھی بھی تشنہ تکمیل ہے۔

۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران میاں بشیر احمد صاحب کا راجوری پونچھ کے عوام کے درمیان رہنا اور اُن کو تحفظ دلانا

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ اور اُس کے بعد حالات اور واقعات کے باعث علاقہ پونچھ راجوری کے عوام کو زبردست مسائل کا سامنا رہا تھا دونوں جانب سے ہونے والے تشدد کے باعث سینکڑوں لوگ مارے گئے تھے۔ ہزاروں گھر نذر آتش ہو گئے اور تقریباً ۶۵ ہزار خاندان سرحد پار ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے اُس وقت حضرت میاں صاحب پونچھ راجوری تشریف لا کر نہ صرف جاری ہجرت کو رکوانے میں معاون ثابت ہوئے بلکہ ہزاروں خاندانوں کو واپس گھروں میں لانے میں بھی کامیاب ہوئے۔ اس لئے جب دسمبر ۱۹۷۱ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ شروع ہوئی تو وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کو خدشہ تھا کہ اس بار بھی سرحدی اضلاع پونچھ راجوری کے عوام کے لئے مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اِس لئے لڑائی شروع ہونے کے ساتھ ہی وزیر اعلیٰ نے حضرت میاں صاحب کو جو اُس وقت ریاستی وزیر بھی تھے پونچھ راجوری کا انچارج بنا کر روانہ کر دیا تاکہ حالات کو قابو میں رکھا جا سکے عوام اور انتظامیہ کے درمیان بہتر تال میل بنایا جا سکے۔ اور لوگوں میں اعتماد اور بھروسے کی فضا کو بنائے رکھا جا سکے آپ کا نہ صرف سیاست سے ہی تعلق ہے بلکہ عوام سے روحانی اور دینی رشتہ بھی بڑا مضبوط ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں جب آپ علاقہ پونچھ راجوری میں تشریف لائے تو عوام کو بڑا حوصلہ ملا آپ نے اس خطے میں ڈیرے ڈال دیئے اور جنگ کے دوران علاقے کی برگزیدہ شخصیات و انتظامیہ کیساتھ گاؤں اور قصبوں کے دورے شروع کر دیئے جگہ جگہ جلسے اور مجالس منعقد ہونے لگیں عوامی مسائل اور شکایت

کا موقع پر ازالہ ہونے لگا اور لوگوں میں اعتماد اور بھروسہ بڑھنے لگا۔ آپ ایک طرف فوج پولیس انتظامیہ اور عوام کے درمیان رابطے کا کام کر رہے تھے تو دوسری جانب شام کے وقت گاؤں میں مجالس منعقد کر کے لوگوں کو دینی تبلیغ اور روحانی فیض بھی پہنچایا کرتے تھے۔

۱۹۷۱ء کی لڑائی کے دوران علاقہ پونچھ راجوری کے عوام کو پورا تحفظ دلانے میں حضرت میاں صاحب نے اہم رول ادا کیا اُن کے حوصلوں کو بلند رکھا اعتماد کو بنائے رکھا جس کی وجہ سے اس خطہ سے کوئی خاندان ہجرت کرنے پہ مجبور نہ ہوا۔ نہ لوگوں کو جنگلوں میں بھاگنے کی ضرورت محسوس ہوئی نہ کسی کا گھر جلا، نہ کسی کو چوٹ آئی اس کی بڑی وجہ جنگ کے دوران حضرت قبلہ بشیر احمد لاروی صاحب کا عوام کے درمیان رہنا تھا اگرچہ ۱۲، دسمبر ۱۹۷۱ء کو وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق رحلت فرما گئے اور سید میر قاسم وزارت نے حلف لے لیا مگر حضرت علاقہ پونچھ راجوری میں عوام کے مسائل میں اس قدر مصروف تھے کہ نئی وزارت میں شمولیت کے لئے وقت پر حلف بھی نہ لے سکے اور لڑائی کے خاتمے پر آپ نے ایک خصوصی تقریب میں وزارت کا حلفِ وفاداری اُٹھایا۔

میاں بشیر احمد صاحب کا دوبارہ ریاستی اسمبلی کیلئے منتخب ہونا اور نئی وزارت میں شامل ہونا

۱۹۷۲ء کے ریاستی اسمبلی کے انتخاب میں میاں بشیر احمد صاحب نے ریاست بھر میں کانگریس پارٹی کے حق میں چناؤ مہم چلائی اور پارٹی کو دوبارہ اکثریت میں لانے کے لئے اہم رول ادا کیا حضرت کو دوبارہ حلقہ انتخاب کنگن سے منڈیٹ ملا تھا اگرچہ مد مقابل نے زبردست زور آزمائی کی لیکن کامیابی کا سہرا حضرت کے سر بندھا اور آپ نے بھاری اکثریت کے ساتھ انتخاب میں جیت حاصل کی اس چناؤ کے بارے میں میاں بشیر احمد صاحب اپنی ڈائری میں یوں لکھتے ہیں [1]۔

[1] میاں بشیر احمد صاحب کی ڈائری

۱۴-مارچ ۱۹۷۲ء آج سرینگر میں ووٹ شماری ہوئی میں کانگریس کے ٹکٹ پر ۱۷ہزار ووٹوں کی اکثریت سے حلقہ انتخاب کنگن سے کامیاب قرار دیا گیا یہ سب اللہ کا فضل وکرم تھا میرے مدِ مقابل کو صرف ۳۹۰۰ سو ووٹ ملے شام پانچ بجے سیاحوں کے استقبالیہ مرکز سرینگر میں رٹرنینگ آفسر غلام رسول بابا نے میرے چناؤ جیتنے کا اعلان کیا.............۱۵ مارچ ۱۹۷۲ء کو عوام کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میں چھترگل، کچھمل، منی گام، ونڈ ہامہ بارسو، تھیری نونر وغیرہ علاقوں میں گیا۔ جلسوں کو خطاب کیا اور لوگوں نے جس دریا دلی سے مجھ پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا تھا میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا پھر قاسم صاحب کی وزارت میں بطور نائب وزیر شمولیت اختیار کی اور عوامی مسائل کو حل کرنے وسلسلہ کے مشن کو آگے بڑھانے میں جُٹ گئے۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کا میاں صاحب کو سرینگر سے وانگت طلب کرنا اور اپنی جائے لحد مبارک کی نشاندہی کرنا

۳-جون ۱۹۷۲ء کو حضرت میاں نظام الدینؒ نے میاں بشیر احمد صاحب کو سرینگر سے وانگت بلایا اور کچھ نصیحت فرماتے ہوئے۔ کہا ''بشیر چلو میں تمہیں اپنی قبر کی جگہ دکھاتا ہوں موت میرے بالکل قریب ہے۔ لبوں تک پہنچ چکی ہے۔'' اُس کے بعد حضرت میاں نظام الدینؒ میاں صاحب کو لے کر حضرت باباجی صاحبؒ کے روضہ اقدس پر تشریف لائے۔ جہاں آج حضرت حاجی بابا صاحبؒ کی لحد مبارک ہے وہاں ایک گھنٹہ سوا گھنٹہ زیارت کا دروازہ بند کر کے مراقبہ میں بیٹھے رہے بعد ازاں میاں بشیر احمد صاحب سے فرمایا تین ماہ ہو گئے ہیں میں نے اس جگہ کے لیے استدعا کی تھی لیکن مجھے کوئی جواب نہیں ملا اس کے بعد باہر تشریف لائے اور چند خاص قبروں کے لئے جگہ بتائی جن میں حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی والدہ محترمہ کی قبر کے لئے الگ اور خصوصیت کے ساتھ جگہ کا تعین کیا۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کا میاں بشیر احمد صاحب کو وانگت بلا کر اپنے آخری سفر کے بارے میں آگاہ کرنا

۱۹- ستمبر ۱۹۷۱ء کو حضرت میاں نظام الدین کی طبیعت پھر ناساز ہوگئی آپ نے یکے بعد دیگرے تین آدمی سرینگر روانہ کر کے حضرت قبلہ میاں بشیر احمد صاحب کو وانگت بلایا اور تنہا کمرے میں لے جا کر دروازہ بند کر دیا اور فرمانے لگے ..... "مجھے اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا ہے میں ردّ نہیں ہوا منظور ہو گیا ہوں اپنے والد اور مرشد باباجی صاحبؒ کی تربت پاک کے ساتھ مشرق کی جانب میری قبر کا حکم ہو گیا ہے۔ مجھے وہاں رکھنا وہ جگہ خود بخود کشادہ ہو جائے گی۔ تمہیں اس کی فکر نہیں کرنی چاہئے یہ سب ٹھیک ہو جائے گا اللہ کا حکم اور سلسلہ عالیہ کی منظوری سے تم میرے جانشین اور خلیفہ ہو میں تمہیں شب برات کے دن حضرت باباجی صاحبؒ کے عُرس کے موقع پر بیعت کروں گا۔ یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں یہ خدائے پاک کے حکم اور جناب بزرگوار حضرت باباجی صاحبؒ کے فرمان کے مطابق ہے[1]

۱۵- شعبان کا عُرس شریف

۱۵- شعبان عُرس کا دن آیا۔ زیارت پر ہزاروں عقیدت مند آئے ہوئے تھے ذکر اذکار جاری تھا۔ قرآن شریف کی تلاوت ہو رہی تھی مُرید حضرت باباجی صاحبؒ اور حضرت میاں نظام الدینؒ عُرف حاجی بابا کا معرفت بھرا صوفیانہ کلام گا رہے تھے۔ دین اور سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے بارے میں علماء حضرات کی تقاریر جاری تھیں ریاست بھر سے آئے ہوئے ہزاروں مرد عورتیں بچے اور بوڑھے اس تقاریب میں شامل ہوئے عقیدت مند درگاہ پر حاضری دینے کے بعد حضرت حاجی بابا کے دیدار سے فیضیاب ہونے کے لئے جمع تھے لیکن حضرت حاجی بابا کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اگرچہ ظاہری طور پر کوئی بیماری نہ تھی البتہ دن بدن لاغر اور کمزور ہو رہے تھے۔ اس لئے حاجی بابا

[1] دیباچہ اشعار نگاہی جناب میاں بشیر احمد صفحہ ۹ تا ۲۲

نے میاں صاحب کو عرس سے ایک ہفتہ پہلے وانگٹ بُلایا تھا۔ دربار پر ایک مجلس کے دوران حضرت حاجی بابا صاحب نے میاں بشیر احمد سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ''بشیر تجھے اللہ نے الگ سے عہدہ اور منصب عطا کیا ہے یہ میری وجہ سے نہیں بلکہ تم پر حضرت بابا جی صاحبؒ کی نوازشوں اور اللہ پاک کے حکم سے ہے۔'' پھر ارشاد فرمایا پتہ نہیں میری اور آپ کی پھر ملاقات ہوگی یا کہ نہیں سب آبدیدہ ہو گئے پھر فرمانے لگے ''میں آپ کو بیعت کروں گا لیکن شرط یہ ہے کہ جس توبہ کو کرو اُس پر زندگی بھر قائم رہو[1]۔''

چنانچہ ۱۵-شعبان کے دن حضرت حاجی بابا نے اپنے سب بیٹوں کو بُلایا اور کچھ دوسرے اصحاب کو بھی طلب کیا۔ سب کو چھوٹی مسجد میں اکٹھا کیا اور اُن کو بیعت کیا۔ اس موقع پر فرمانے لگے۔ ''میرے بعد حضرت میاں بشیر احمد کو اپنا بابا سمجھنا اور اُسی طرح احترام کے ساتھ پیش آنا جیسے میرے ساتھ آیا کرتے تھے۔ اب میں تم سب کو اللہ کے حوالے کرتا ہوں۔ اور بشیر کے سپرد کرتا ہوں آج سے میری جگہ تم بشیر کو دیکھنا۔ تمہارے پر فرض ہے کہ اسے میری جگہ دیکھو اور بابا نو اور بشیر کا فرض ہے کہ جہاں تمہارا پسینہ بہے وہاں یہ اپنا خون بہائے۔'' پھر حضرت حاجی بابا نے دُعا کرتے ہوئے فرمایا کہ ''تم سب اچھے آدمی بنو گے کسی کے محتاج نہیں رہو گے۔ حتیٰ کہ تم اپنے بھائی کے محتاج بھی نہیں رہو گے۔'' بیعت فرمانے کے بعد حضرت میاں نظام الدینؒ نے حضرت میاں صاحب سے کہا ''بشیر صاحب اُوپر زیارت پر جاؤ اور میرے لیے دُعا مانگو۔'' یہ سُن کر حضرت میاں صاحب زار وقطار رونے لگے۔ موصوف نے ارشاد فرمایا ''یہ وقت رونے کا نہیں جو مہربانی تم پر ہے۔ وہ مجھ پر ہو۔ تو یہ دُنیا دیوانی ہو جائے۔'' چنانچہ میاں صاحب جب چھوٹی مسجد سے نکلے تو باہر ہزاروں کی تعداد میں مرید زار وقطار رو رہے تھے۔ میاں بشیر احمد صاحب زیارت کی طرف دُعا کے لئے بڑھ گئے اور حضرت میاں نظام الدینؒ نے باہر جلوہ افروز ہو کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''یہ وقت رونے کا نہیں میں نے تمہیں اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور بشیر کے حوالے کیا ہے۔ میں نے بشیر کو بیعت کیا ہے اور اپنی جگہ جانشین اور زیارت شریف کا سجادہ نشین مقرر کیا ہے[2]۔''

---

[1] میاں بشیر احمد .... اشعار نظامی مختصر تعارف صفحہ ۳ تا ۲۲۳ .... [2] چودھری اقبال عظیم، میاں جنید نظامی

۲۷-رمضان کی شب کو حضرت کی اپنی رحلت کے بارے میں پیشن گوئی

۲۷-رمضان حضرت میاں نظام الدینؒ سرینگر تلسی باغ میں تھے اور حسب عادت درود وظائف اور شب بیداری میں مصروف رہے۔ اُس رات جب سونے کے لئے گئے تو اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ "چار یوم کے بعد میرا جنازہ زیارت شریف پر لے جایا جائے گا۔ تو میری میت پر تبرکات میں سے اُس لوئی کو نکال کر ڈالنا جس میں خواجہ نظام الدین کیانویؒ اولیا نے وصال فرمایا تھا۔" اُنھوں نے آبدیدہ ہو کر کہا "آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔" اسی حضور نے دوسرے کمرے سے جنید نظامی صاحب کو بلایا اور صورتِ حال سے آگاہ کیا جنید صاحب کے آنے پر میاں نظام الدینؒ نے فرمایا "مجھے کچھ معلوم نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔ شاید تمہاری والدہ فکرمندی کے باعث بات کر رہی ہے۔" اسطرح بات کو ٹال گئے[43]

43؎ حضرت میاں بشیر احمد ایک ملاقات میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "۱۹۴۳ء کے آس پاس حضرت میاں نظام الدینؒ آخری بار کنیاں شریف تشریف لے گئے تھے۔ دربار شریف پہنچے تو وہاں مائی صاحبہ رحلت فرما چکی تھیں اور اُن کی آخری جائے پناہ کے لئے زمین کھودی جا رہی تھی موصوف بھی وہاں چلے گئے دربار کنیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت مرزا عبدالرشیدؒ کو موصوف کی آمد کا علم ہوا تو آپ بھی وہاں آ گئے لیکن قبر کے لئے جگہ سے بڑے بڑے پتھر برآمد ہو رہے تھے اور کسی طرح نہ ٹوٹتے تھے حضرت بابا نے ایک نظر پتھر کو دیکھا اور حضرت مرزا صاحب سے کہا کہ آپ بدان کی ایک سٹ ماریں جب مرزا صاحبؒ نے ایسا کیا تو پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا۔" چنانچہ مائی صاحبہ کے جسدِ خاکی کو سپردِ خاک کرنے کے بعد جب گھر لوٹے تو حضرت میاں طوطا صاحبؒ نے حضرت بابا سے کہا کہ "مائی صاحبہ کے دو صندوق ہیں جنھیں تالا لگا ہے۔ آپ ان کو کھولو" حضرت میاں نظام الدینؒ نے صندوق کھولے ایک صندوق میں ایک لوئی تھی جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی قبر پر ڈالی گئی تھی دوسرے صندوق میں ۱۰۰۱ دانوں والی ایک تسبیح تھی اور ایک چینی کی پیالی تھی حضرت مرزا عبدالرشید نے فرمایا "اس لوئی کے ٹکڑے کرتے ہیں اور سب بانٹ لیتے ہیں۔ تسبیح کے سو دانے بھی بانٹ لیتے ہیں البتہ چینی کی پیالی میں رکھ لیتا ہوں۔" پھر حضرت مرزا صاحب نے میاں نظام الدینؒ سے کہا "آپ اپنا فیصلہ سنائیں کیونکہ جیسے ہم وارث ہیں ویسے آپ بھی وارث ہیں۔ بلکہ آپ مالک ہیں اور ہم مزارعے ہیں۔ اب بتائیں کیا حکم ہے اُس وقت حضرت قبلہ حاجی بابا نے ارشاد فرمایا کہ "میری صلاح مانیں تو یہ لوئی مجھے بخش دیں اس میں حضرت میاں نظام الدین کیانیؒ کا وصال ہوا تھا" چنانچہ اسی وقت وہ لوئی حضرت قبلہ حاجی بابا صاحب کو دے دی گئی اور میاں نظام الدینؒ نے اس لوئی کو سر پر اُٹھا کر وصول کیا اور دربار وانگت شریف میں تبرکات میں رکھا اور اسی لوئی کے بارے میں حضرت حاجی بابا صاحبؒ نے اہلیہ محترمہ سے کہا کہ یہ میرے جنازے کے اوپر رکھی جائے۔

۲۹ -رمضان کو حضرت میاں نظام الدینؒ کی سرینگر سے واپس وانگت روانگی

سرینگر میں ایک ماہ سے زائد عرصہ قیام کے بعد ڈاکٹروں کی ٹیم نے جس میں ڈاکٹر علی جان، ڈاکٹر محمد علوی اور ڈاکٹر نصیر شامل تھے۔ ملاحظہ کر کے لکھ دیا کہ حضرت میاں نظام الدینؒ کی جسمانی طور پر صحت ٹھیک ہے صرف روزانہ ایک میل کی سیر کیا کریں سردیاں آرہی ہیں اس لئے بہتر ہے کہ کچھ عرصہ کیلئے جموں تشریف لے جائیں حضرت میاں نظام الدینؒ نے ڈاکٹروں کے مشورے پر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''مجھے معلوم ہے کہاں جانا ہے عید کے بعد پروگرام مرتب کریں گے'' چنانچہ دوسرے دن ۲۷ رمضان کی شب کو آپ وانگت کے لئے روانہ ہوگئے۔ اُس وقت حضرت میاں صاحب قاسم صاحب کی وزارت میں نائب وزیر کے عہدہ پر فائز تھے آپ کو وزیر اعلیٰ نے کہا کہ کچھ دن وانگت میں ہی رہیں۔

۲۹ -رمضان بروز منگلوار کو آپؒ سرینگر سے وانگت اپنے گھر تشریف لائے طبیعت زیادہ ناساز تھی حضرت میاں بشیر احمد ساتھ تھے اور اپنی موٹر میں سفر کر رہے تھے۔ میاں صاحب کو راستے میں مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ ''دیکھو یار میرا کیا حال ہوگیا ہے۔ میرا سفر کدھر شروع ہوگیا ہے۔ تمہارے ڈاکٹر دوائیاں اور تم کہاں رہ گئے ہو۔'' اس کے بعد خانن پہنچے اور وہاں سے پالکی میں بیٹھ کر گھر تشریف لائے آپ کی موٹر دیکھ کر علاقے کے تمام مرد وزن جمع ہوگئے گھر پہنچ کر ہر ایک کی طرف نگاہِ کرم سے دیکھا اور فرمایا ''افطار کے بغیر کوئی نہ جائے میں ہر آدمی کے لئے دُعا کرتا ہوں ہر ایک پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو آپ سب آمین کرو میں نے ہر ایک کو فی سبیل اللہ بخش دیا ہے۔ اگر کسی کو مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ تو معاف کریں۔'' ان جملوں سے حاضرین میں کہرام سا مچ گیا آپ نے نصیحت فرمائی کہ۔ ''آپ لوگوں کو وہ بات زیب نہیں دیتی جو خُدا اور اُس کے رسول کو پسند نہیں تمام لوگ ذکر بالجہر میں معروف ہوگئے یہاں تک کہ افطار کا وقت ہوگیا آپ نے افطار فرمایا اور تمام لوگوں کو افطار کے بعد رخصت فرما کر بارگاہِ ایزدی میں رو بہ قبلہ سر بسجود نماز ادا کرنے لگے بعد میں لوگوں کی آمد و رفت بے پناہ ہجوم کی وجہ

سے ڈاکٹروں نے آپ کے کمرے میں داخل ہونے پہ پابندی لگادی آپ نے ارشاد فرمایا ''میرے پاس آنے والوں کو ہرگز نہ روکا جائے دوسرے دن شوال کا چاند نظر آیا عید منائی گئی مخلوقِ خُدا کا جم غفیر رہا۔ آپ ہر ایک کو دُعا اور پیار سے نوازتے رہے یکم اور دوم شوال کے بارے میں حضرت قبلہ میاں بشیر احمد لاروی اپنی ڈائری میں یوں رقمطراز ہیں۔

۸-نومبر ۱۹۷۲ء:- آج لوگوں نے عید منائی اور ہم نے حضور باباصاحب کی بگڑتی صحت کے غم اور دُکھ کے عالم میں لوگوں کا استقبال کیا۔ حضور باباصاحب دس بجے سے دو بجے تک لوگوں سے ملتے رہے پھر اسی دوران وانگت والوں سے کہا کہ ''میں نے زبان سے دِل سے، قلم سے، قدم سے کبھی بھی تمہارے خلاف کوئی بات نہیں کی نہ بُرا چاہا آپ لوگ میرے ہمسائے ہیں مجھے بخش دیں۔'' اس کے بعد ساڑھے تین بجے دوپہر ڈھلنے کے بعد طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی حضورؒ عالم استغراق میں کبھی کلمہ شہادت اور کبھی درود شریف پڑھتے رہے اور اللہ کی وحدانیت اور توحید کا اقرار بھی کرتے رہے۔

'' میں تیرا عاشق ہوں سبحان اللہ، کس قدر خوبصورت ہے تری ذات، تو لازوال ہے، تو لاشریک میں تیرے ساتھ عشق نہ کروں تو کس کے ساتھ کروں۔''

۹-نومبر ۱۹۷۲ء:- آج حضور نے غسل کیا کپڑے بدلے پھر بخاری کے قریب بیٹھ کر لوگوں سے ملتے رہے ظاہری طور پہ کوئی تکلیف نظر نہ آئی مگر غم منڈلا رہا ہے۔ اللہ ہم سب کا نگہبان ہو حضور عالی جناب باباصاحب آج مجھے بہت سی باتوں میں ہدایت فرماتے رہے[1]۔

آخری سفر کی تیاری

پانچ بجے کے قریب کچھ آدمیوں سے حضرت میاں نظام الدینؒ مخاطب ہوئے اور ارشاد فرمایا ''کل جو واقع پیش آنے والا ہے اُسے ڈیڑھ ماہ قبل شب برات کے روز ہونا تھا نہ معلوم اُس دن کیوں ٹل گیا اُس وقت میں نے خُداوند قدوس سے التجا کی تھی میرے روزے پورے ہو جائیں۔ پھر دریافت کیا کل کیا دن ہے عرض کیا گیا کہ حضور

۱۔ اشعار نظامی مختصر تعارف صفحہ ۹ تا ۲۳

کل جمعہ ہے پھر فرمایا" آسمان کیسا ہے۔" میاں بشیر صاحب نے عرض کیا۔"مطلع بالکل صاف ہے۔" بظاہر تندرستی دیکھ کر پوچھا۔" حضور آپ موسم کا کیوں پوچھ رہے ہیں۔" جواب دیا" سردی کا موسم ہے میرے ہزاروں غریب پونچھ راجوری سے ان پہاڑوں پر سے دوڑتے ہوئے آئیں گے مجھے اُن کی فکر ہے۔" پھر تصوف کی رمزوں کے ذریعے اپنے وصال کے بارے ارشاد فرماتے رہے[1]

شام پانچ بجے کے بعد بے ہوشی کے عالم میں چلے گئے اور فرماتے رہے نماز پڑھو نماز کا وقت ہے۔ پھر دائیاں ہاتھ کان تک لے گئے اور اللہ ھوا کبر کہا رات سوا آٹھ بجے اسی حالت میں رہے دو گھونٹ دودھ کے لیے تیسری گھونٹ نہ لی۔ رات دس بجے جاوید صاحب ڈاکٹر علوی کو لیکر آ گئے۔ ڈاکٹر نے ملاحظہ کیا اور کہا حضور باباصاحب کی طبیعت ناساز ہے۔ ڈاکٹر علوی صاحب بتاتے ہیں کہ جب وہ سرینگر سے چلے تھے تو رات وانگت رہنے کا پروگرام بنا کر نکلے تھے۔ جب بابا صاحب کا معائینہ کیا تو میاں نظام الدینؒ نے ڈاکٹر علوی سے کہا کہ" آپ اسی وقت واپس سرینگر چلے جائیں۔ کل یہاں کا ماحول دوسرا ہوگا اور آپ کو سرینگر جانے میں پریشانی ہوگی۔ یہاں مت رُکنا آپ جب میرے کمرے سے باہر جاوگے تو بشیر صاحب آپ کو کہیں گے کہ آپ رات اِدھر ہی رُکو آپ کا انتظام ہے۔ لیکن آپ کے لئے بہتر ہے۔ کہ میری بات مان کر یہاں سے چلے جائیں۔" علوی صاحب حاجی بابا کو کچھ دوائی وانجکشن دے کر باہر آئے تو میاں بشیر احمد صاحب نے آپ کو رات رکنے کے لیے کہا اور بتایا کہ رہنے کا سارا انتظام ہو چکا ہے لیکن ڈاکٹر علوی[2] حضرت میاں نظام الدینؒ کی ہدایت کے مطابق واپس روانہ ہو گئے۔ نومبر کی رات وانگت میں سارا خاندان اور درگاہ پر حاضر لوگ پریشان غم زدہ رہے اور ساری رات بیداری میں گزری۔[1]

---

[1] اشعار نظامی مختصر صفحہ ۹ تا ۲۳ نیز میاں الطاف احمد صاحب

[2] دوسرے دن ڈاکٹر علوی نے ریڈیو کشمیر سے خبر دی کہ حضرت میاں نظام الدینؒ رحلت فرما گئے ہیں۔

۱۰-نومبر۱۹۷۲ء بمطابق ۲۶ کارتک ۲۰۲۰ء بکرمی کو امیر القوم میاں نظام الدینؒ کا وصال

دس نومبر کی صبح چھ بجکر ۳۵ منٹ پر میاں نظام الدینؒ کی طبیعت اچانک زیادہ خراب ہوگئی اور رفیق اعلیٰ سے وصال کی تڑپ تیز تر ہوتی چلی گئی حضور نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنے ہاتھ مبارک سرہانے کے نیچے درست کر کے رکھے اور دایاں ہاتھ کے نیچے بائیاں ہاتھ رکھ کر آنکھیں بند کر لیں اُس وقت کمرے میں شریف الدین ولیواڑی اور یاسین صاحب موجود تھے اُن کے بیان کے مطابق دو سبز قسم کے نوری بلب اچانک چھت سے نمودار ہوئے اور سارے کمرے کو اپنی روشنی کی لپیٹ میں لے لیا اور کمرے کی ہر چیز پر گہرا سبز رنگ چھا گیا پھر حضرت کے داہنے کندھے پر دونوں بلب آ کر رُک گئے اور پھر چند لمحوں کے بعد غائب ہو گئے اُس وقت حضرت نے آسمان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا ''اچھا تیاری ہے۔'' پھر زبان مبارک سے باآواز بلند کلمہ طیبہ اور تجید پڑھتے پڑھتے آنکھیں بند کر لیں اور نفی اثبات کا ذکر جاری رکھا یہاں تک کہ سات بج کر دس منٹ ہو گئے اور حضرت اپنے رفیق اعلیٰ ماوا ملجا و مولا سے جا ملے۔ اُس وقت سارے بھائی وہاں موجود تھے میاں صاحب پسینہ پسینہ تھے بابا صاحب رحلت فرما چکے تھے۔ اور سارا خاندان غم کے بحر میں ڈوب گیا تھا۔

جب حضور کے جسد نورانی کو غسل دینے کے لیے لایا گیا تو کئی شیدائیوں نے وہاں موجود رہنے اور غسل دینے کی زبردست کوشش کی بالآخر مولوی عبدالرشید صاحب خانی، مولوی عبدالعزیز ولیواڑی، مولوی محمد اسماعیل صاحب، حاجی غلام جیلانی صاحب، جناب میاں لعل الدین عرف لالہ بھائی صاحب اور حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے غسل دینے کی سعادت حاصل کی۔ غسل دینے لگے تو ہاتھ ناف پر تھے سرکانے کی کوشش کی گئی مگر کامیاب نہ ہوئے پھر حضرت میاں بشیر احمد اور مولوی عبدالعزیز نے بائیاں ہاتھ بڑی ہمت اور طاقت سے تھاما اور

پانی بہانے لگے۔ اسی آثنا میں حضور کے ستر کے مقام پر جو کپڑا تھا سرک گیا۔ حضور نے فوراً اپنے ہاتھ پھر ناف پر باندھ لیے یہ منظر دیکھ کر میاں صاحب اور دوسرے ساتھی وہاں سے ہٹ گئے۔ اُن پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی آخر میاں صاحب اور حاجی غلام جیلانی صاحب نے یہ فریضہ انجام دیا۔

عید کے ٹھیک دوسرے دن حضرت کا وصال ہوا اس سے پہلے آپ نے اپنے وصال کے بارے میں ایک سی حرفی تحریر کی ہوئی تھی جو اس طرح ہے[1]

ع:۔ عیدا ساہڈڑی بدل گئی ہے بدلے عید دے ماتمی رنگ ہو گئے
سئیاں گئیاں اج رل کے محفلاں نُوں کدھرے گُم اساہڈڑے سنگ ہو گئے
لوکاں عطر فلیل لباس لائے، نزع، ہجر تلخی اسیں تنگ ہو گئے
شمعدان نظام نہ آن نظری کر کر لوڑ حیران پتنگ ہو گئے

---

[1] میاں بشیر احمد صاحب کی ڈائری کا ورق ۱۰ نومبر ۱۹۷۲ء اشعار نظامی مختصر تعارف صفحہ ۹ تا ۲۳

نماز جنازہ

تجہیز و تکفین سے فارغ ہوئے تو حاجی میر عالمؒ آ گئے وہ جسدِ خاکی کے قریب بیٹھ کر روتے رہے۔ سنبھلے تو فرمانے لگے حضرت حاجی بابا صاحب کا مجھے حکم ہے کہ "میں اُن کا جنازہ پڑھاوں۔" میاں بشیر احمد صاحب نے فرمایا کہ "ریڈیو پر خبر نشر ہو چکی ہے کہ نماز جنازہ سنیچر وار کو پڑھی جائے گی۔ تا کہ ریاست بھر سے آنے والے عقیدت مند شرکت کر سکیں۔" حاجی صاحب نے کہا آج جمعہ ہے بہتر یہی ہو گا کہ حضرت کی نماز جنازہ آج ہی پڑھی جائے۔ حضرت کے جسد مبارک کو چھوٹی مسجد سے اوپر درگاہ شریف پر لے جایا گیا اور ہزاروں لوگوں نے نماز جنازہ میں شرکت کی حاجی میر عالم صاحبؒ نے امامت کا فریضہ انجام دیا۔
جب نماز جنازہ ہو گئی تو کچھ لوگوں نے کہا کہ اب جنازہ کو واپس گھر نہیں لے جایا جا سکتا اور سپرد خاک

حاشیہ حضرت حاجی میر عالم نقشبندیؒ بڑے باشرع جید عالم تھے گلی باغ میں رہائش پذیر تھے دربار بابا نگری میں اکثر آنا جانا رہتا تھا۔ حضرت حاجی بابا کے محب تھے۔ دینی معاملات میں ہم خیال اور ہم نوا تھے۔

حضرت حاجی بابا صاحبؒ حضرت حاجی میر عالم سے کہا کرتے تھے۔ کہ "اگر آپ کی زندگی میں میرا انتقال ہو گیا تو میری نماز جنازہ پڑھائیں گے۔" اور وہ بھی اسی خواہش کا اظہار کرتے تھے۔ کہ "اگر میں واصل بحق ہوا اور آپ زندہ ہوئے تو: میری نماز جنازہ کی امامت آپ کریں گے۔" لیکن اللہ تعالیٰ نے حاجی میر عالمؒ کو اس سعادت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت حاجی بابا بڑے صاحب کرامات ولی اللہ تھے انھیں آنے والے حالات کے بارے میں آگاہی ہو جاتی تھی شاید یہی وجہ تھی رحلت سے نو برس قبل اس حجرہ کو تعمیر کرایا جس میں پہلی بار رات کے وقت آپ کے جسد مبارک کو رکھا گیا تھا میاں بشیر احمد صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

کرنے تک باہر ہی رکھنا مناسب رہے گا چنانچہ فیصلہ ہوا کہ جسد مبارک کو اُس حجرہ میں رکھا جائے جو نو سال قبل حضرت موصوف نے تعمیر کراتے وقت فرمایا تھا کہ ''بشیر وقت بے وقت یہاں کوئی جنازہ آ جائے اور کسی وجہ سے دفن نہ ہو سکے تو اُسے رات کو یہاں رکھا جا سکتا ہے اور کوئی اس حجرہ میں رات کو نہ رہا تو میں خود رہوں گا۔''

۱۰ نومبر ۱۹۷۲ء کی شب کو حضرت کا جسد مبارک اسی حجرہ میں رکھا گیا تمام رات قرآن خوانی کا سلسلہ جاری رہا جناب شفیع صاحب بھی آ گئے اُن کے ہمراہ چودھری قادر بخش بھی تھے۔ لوگ رات بھر عبادت میں مصروف رہے۔

---

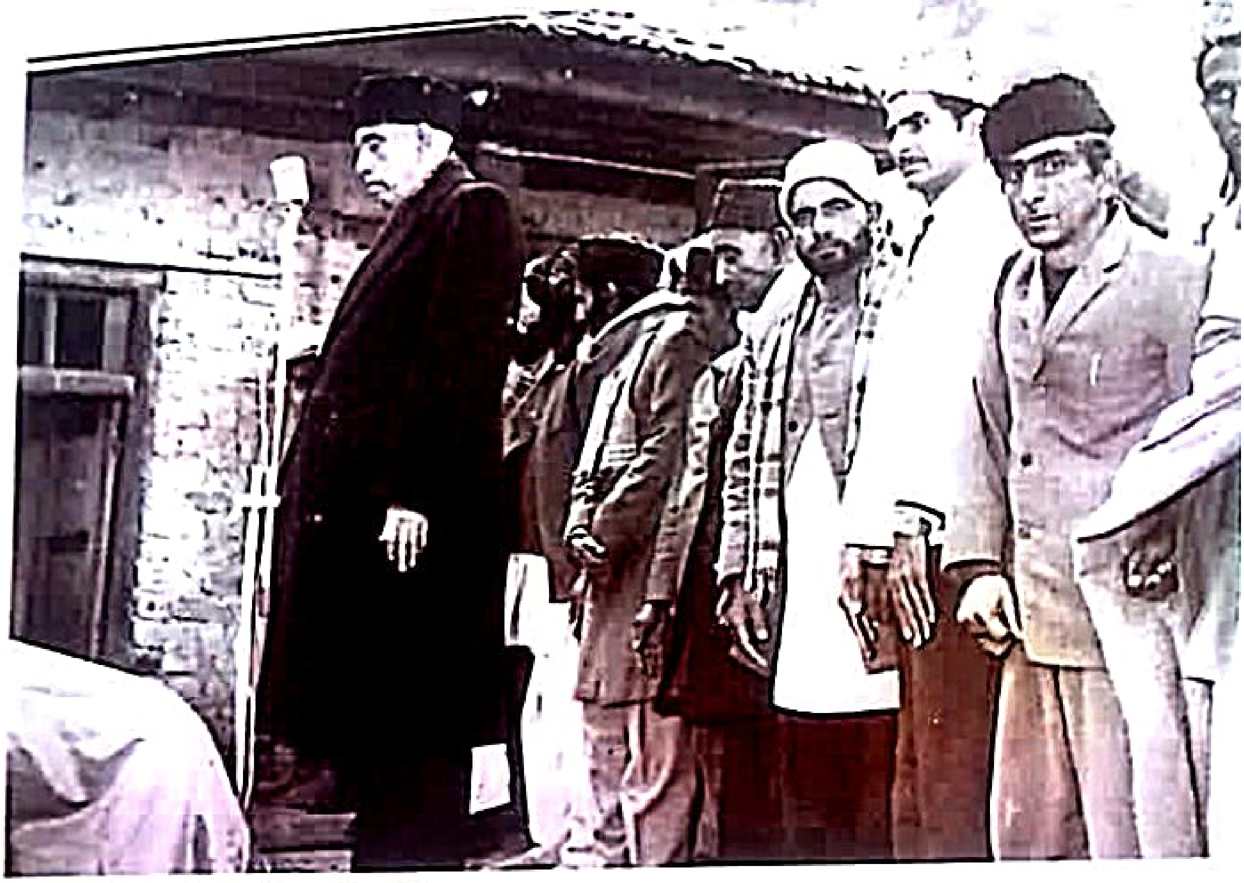
۴۵ ۱۹۶۳ء میں ایک دن میاں بشیر احمد صاحب اپنے مکان میں قیام پذیر تھے کہ اچانک صبح صبح باباصاحب نے یاد فرمایا اسی وقت میاں صاحب حاضر ہوئے آپ اُداس لگ رہے تھے اور جلال میں بھی تھے میاں صاحب نے سوچا شاید اُن پر ناراض ہیں انھیں دیکھتے ہی فرمانے لگے ''بشیر آج کیا کر رہے ہو۔'' میاں صاحب جو دروازے کے قریب کھڑے تھے عرض کیا'' آپ کے حکم کا انتظار ہے'' حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا چلہ کی کوٹھی کے قریب ایک حجرہ بناؤ اور اُسے آج شام تک تعمیر کرو میاں صاحب نے عرض کیا کہ ''اس کی کیا ضرورت ہے۔'' فرمانے لگے۔ ''میں نے تجھے حکم دیا ہے اور تو سوال جواب کر رہا ہے''۔ چنانچہ اسی وقت میاں صاحب نے تعمیر کا کام شروع کروا دیا۔ کاریگر اور مزدور گاؤں سے اکٹھے کیے کام شروع ہو گیا پھر شام ڈھلنے سے قبل حجرہ کا کام تکمیل کے قریب پہنچ گیا اس دوران موصوف جائے مقام کے قریب پہنچے اور زیارت شریف کے ساتھ واقع درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

اُس وقت آپؒ کے چہرے پر جلال اور نور تھا میاں صاحب نے بڑی نرمی کے ساتھ قریب جا کر عرض کیا'' آپ کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے یہ سن کر خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا'' تو کیا کہتا تھا۔ میاں صاحب نے عرض کیا'' اس حجرہ کی ضرورت کیا ہے''؟ فرمانے لگے'' اس کی بڑی ضرورت ہے اس کے نیچے جہاں باباجی صاحبؒ نے کئی مرتبہ چلہ کیا ہے اور میں نے بھی وہاں دوران چلہ بڑے تماشے دیکھے ہیں۔ اس جگہ میں لوگ دور دور سے جنازے لے کر آتے ہیں۔ اگر دیر ہو جائے تو جنازہ یہاں رکھا جا سکتا ہے قرآن شریف کی تلاوت ہو سکتی ہے۔ پھر فرمایا'' اگر کوئی نہ رہا تو میں آپ اس میں رہوں گا۔'' چنانچہ آپؒ کے ارشاد کے مطابق آپؒ کا جسد مبارک ایک رات کے لئے اس حجرہ میں رکھا گیا۔

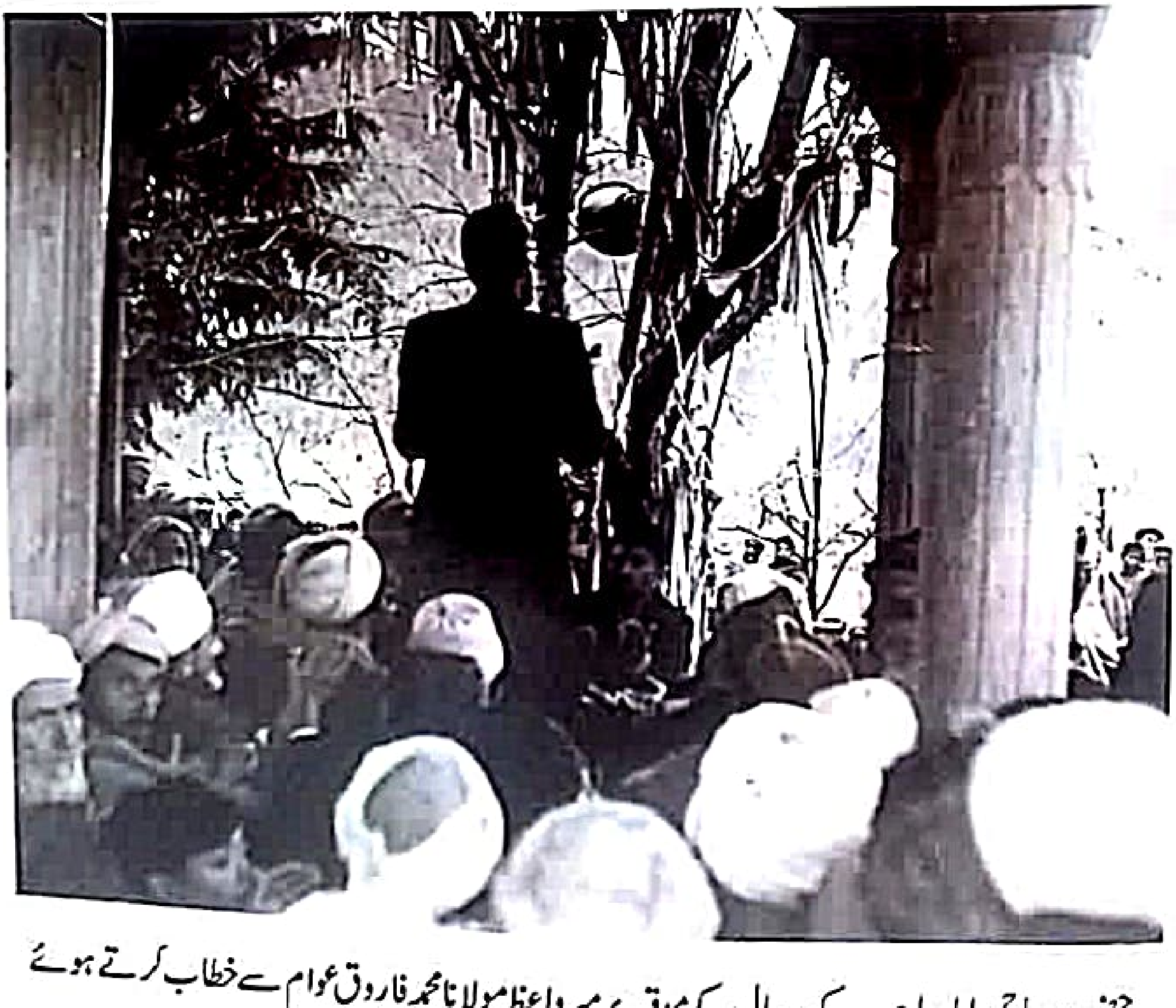
اپنے وصال کی پیشنگوئی

۱۱-نومبر کو حضرت میاں نظام الدینؒ کے وصال کی خبر ریڈیو کشمیر سرینگر سے نشر ہوئی اور ریاست کے تمام حصوں میں ماتم چھا گیا پونچھ سے چودھری محمد اسلم لسانوی مریدوں کے ایک قافلے کے ساتھ آ گئے جبکہ علاقہ پونچھ راجوری کے لوگ رات کی تاریکیوں میں پیر پنچال کو عبور کر کے دربار لار (بابانگری) پہنچنے شروع ہو گئے اس طرح کشتواڑ بھدرواہ جموں اور وادی کشمیر کے کونے کونے سے لوگ جنازے میں شریک ہونے کے لئے جمع ہوتے گئے۔ ہزاروں شیدائیوں اور عقیدت مندوں کو حضرت نے اپنے وصال کی بشارت دس نومبر کی رات کو عالم خواب میں ہی دے دی تھی ان ہی اصحاب میں دربار سرہند شریف کے سجادہ نشین سید سلطان احمد فاروقی بھی تھے جو خواب میں دیکھتے ہیں۔ کہ سات اولیا مشرق کی جانب سے تیز ہواؤں کی طرح ایک جنازہ اُٹھائے ہوئے سرہند شریف پہنچے ہیں اور مسجد شریف کے صحن میں جنازہ رکھتے ہیں۔ کچھ اولیائے کرام کی جماعت صف بندی کرنے میں مصروف ہے۔ کہ اتنے میں روضہ اطہر سے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانیؒ باہر تشریف لاتے ہیں۔ اور میت کا جنازہ پڑھتے ہیں۔ نماز جنازہ پڑھانے کے بعد دو آدمی جنازہ کو اُٹھا کر سرہند شریف روضہ اقدس کے اندر لے جاتے ہیں۔ اور باقی لوگ بھی ساتھ جاتے ہیں۔ وہاں منہ سے کپڑا اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو میاں نظام الدینؒ ہوتے ہیں۔ حضرت محبوب سبحانی فرماتے ہیں کہ یہ شیخ المشائخ میاں نظام الدینؒ میرے خلیفہ خاص ہیں۔ آج ان کو اپنا مقام مل گیا ہے" خواب دیکھنے کے بعد سجادہ نشین سلطان صاحب نے میاں نظام الدینؒ کی خیریت کے متعلق حضرت میاں بشیر صاحب کو تار ارسال کی اور بذریعہ خط اس خواب کا واقع بھی تحریر فرمایا[1]

[1] اشعار نظامی مختصر تعارف ۹ تا ۲۴ حضرت میاں بشیر احمد اور ان کی ڈائری کا ورق ۱۱ نومبر ۱۹۷۲ء



جناب شیخ محمد عبداللہ حضرت میاں نظام الدینؒ کے نماز جنازہ کی امامت کرتے ہوئے
دوسری صف میں مولانا محمد سعید مسعودی بھی دیکھائی دے رہے ہیں



حضرت حاجی بابا صاحب کے وصال کے موقعہ پر میر واعظ مولانا محمد فاروق عوام سے خطاب کرتے ہوئے

شیخ محمد عبداللہ صاحب کی جنازے میں شرکت

حضرت میاں نظام الدینؒ کے ارشاد کے مطابق آپ کی آخری جائے پناہ حضرت باباجی صاحبؒ کے روضہ مبارک کے قریب درگاہ شریف کے اندر تیار ہونے لگی اگرچہ دیکھنے میں جگہ کم تھی لیکن کھودنے پر کشادہ ہوتی گئی اُتنی جگہ فراہم ہوگئی جس کی ضرورت تھی اسی دوران اطلاع ملی کہ شیخ صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ اُنھیں زیارت تک لانے کے لئے گھوڑے تیار کیے گئے تب تک شیخ صاحب خانن سے دربار تک تشریف لے آئے اُن کے ساتھ بیگم اکبر جہان صاحبہ بھی تھیں۔ جن کا اُسی دن گال بلیڈر کا اپریشن ہونے والا تھا شیخ صاحب دیر تک آپؒ کے جسد مبارک کے قریب کھڑے رہے اور آبدیدہ رہے۔ پھر جسد مُبارک کی طرف دیکھتے ہوئے بولے" باباصاحب آپ نے جلدی کی باری تو میری تھی۔ پھر شیخ صاحب نے جسد مُبارک پر پڑی ہوئی لوئی کو دیکھا جسے کہرا لگا ہوا تھا۔ تو اُنھوں نے حضرت میاں صاحب سے پوچھا کہ اُوپر ڈالنے کے لئے دوسرا کپڑا نہیں تھا تو میاں صاحب نے بتایا کہ اس لوئی میں کنیاں شریف کے اولیا حضرت خواجہ نظام الدین کیانیؒ نے وصال کیا تھا اور حضرت میاں نظام الدینؒ کی وصیت کے مطابق ہی اس کو آپ کے جنازہ کے اُوپر رکھا گیا ہے یہ سن کر شیخ صاحب نے کہا کہ" اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے بھی دیں میں اپنے سینے پر رکھوں گا" میاں بشیر احمد صاحب نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ" حکم یہ ہے کہ اس لوئی کو اسی حالت میں واپس لایا جائے۔" شیخ صاحب نے کہا "اچھا اللہ تعالیٰ کی مرضی۔"

شیخ صاحب کی اہلیہ محترمہ اکبر جہان امی مُضور کے پاس افسوس کے لئے پہنچیں اور فرمایا کہ" آج میرا گال بلیڈر کا اپریشن ہے۔" مگر شیخ صاحب نے کہا پہلے وانگت چلیں گے۔ پھر عرض کرنے لگیں" میرے حق میں دُعا کریں کہ اللہ مجھے ایمان میں رکھے۔"

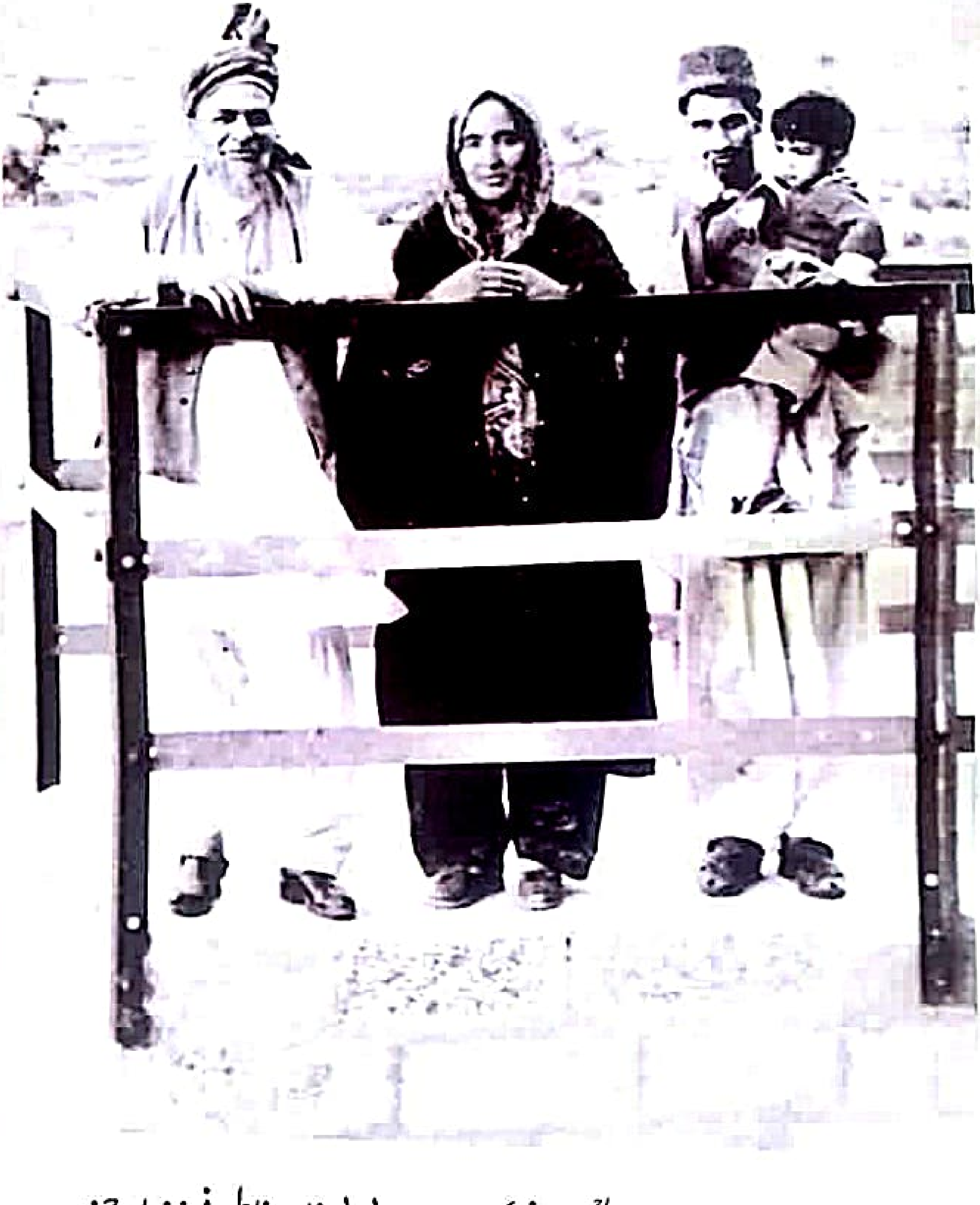
گیارہ نومبر کی دوپہر تک ہزاروں لوگ درگاہ شریف تک آچکے تھے جن میں مولانا محمد سعید مسعودی جو

حضرت کے پیر بھائی بھی تھے جناب میر واعظ کشمیر مولانا محمد فاروق سجادہ نشین درگاہ محبوب العالم حضرت شیخ العالم کی درگاہ عالیہ کے سجادہ نشین سید ضامن شاہ سجادہ نشین ملنگام، جناب میاں غلام حسین صاحب سجادہ نشین دربار عالیہ خضریہ دردپورہ جناب مفتی جلال الدین، جناب مُفتی بشیر الدین، الحاج مولانا محمد یعقوب، مولانا مفتی عبدالغنی ازہری، جناب چودھری محمد شفیع میرپوری، جناب گردھاری لعل ڈوگرہ ریاستی وزیر، جناب ترلوچن دت ریاستی وزیر ڈائریکٹر جنرل پولیس پیر غلام حسین شاہ جناب خواجہ محمد سلطان ڈی، آئی، جی غلام محمد میر لسجن خواجہ غلام رسل رینزو

حاجی میر عالم نقشبندی شامل تھے۔

تجہیز و تکفین کے بعد حضرت میاں بشیر احمد صاحب کا سجادہ نشین مقرر ہونا

۱۱-نومبر کی دوپہر تین بجے کے قریب ہزاروں لوگوں نے حضرت کو لحد مبارک میں اُتارانے کی تیاری شروع کی جن میں جناب شیخ محمد عبداللہ بھی شامل تھے۔ پھر حضرت میاں نظام الدینؒ کے جسد مبارک کو حضرت باباجی صاحبؒ کے مزار اقدس کے ساتھ مشرق کی جانب سپرد خاک کیا گیا تقریباً بیس ہزار لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت میاں نظام الدینؒ کی آخری آرام گاہ میں تین انچ موٹائی کے تختہ والا صندوق بنایا گیا تھا جو چھاتی کے برابر تھا صندوق کے تختوں کو مٹی سے لپائی کی گئی تھی یہ تختے برمی کی لکڑی کے بنا کر لائے تھے اُن پر بھوج پتر اور اُن پر مٹی کی لپائی کی گئی اور پھر مٹی ڈالی گئی تھی تربت پاک کو بند کرنے سے قبل سب سے آخر میں حضرت میاں بشیر احمد آبدیدہ آنکھوں سے رخصت ہوئے رخصت ہوتے وقت میاں صاحب نے حضور کے رخسار مبارک پر بائیں طرف بوسہ دیا پھر پاوں پر بوسہ دیا اُس کے بعد لحد مبارک پر مٹی ڈال دی گئی پھر لوگ رخصت ہوئے اور زیارت پر قرآن شریف کی تلاوت اور ختمات کا سلسلہ جاری رہا۔ ابی دوران حاجی میر عالم گنگلی باغی مولانا محمد یعقوب محبان سلسلہ برادران طریقت عقیدت مندوں اور بھائیوں کے اصرار پر میاں بشیر احمد صاحب کی بحیثیت سجادہ نشین درگاہ عالیہ لارؒ میں دستار بندی کی رسم ادا کی گئی۔



حضرت میاں نظام الدینؒ اپنی شریک حیات بی بی غلام فاطمہ فرزندِ ارجمند
میاں محمد اسماعیل اور گود میں میاں اشتیاق احمد شوق دیکھے جاسکتے ہیں

درگاہ حضرت بل کے عبدالرحیم بانڈے صاحب کے ہاتھوں میاں صاحب کی دستار بندی

دوسرے جمعہ کو درگاہ آثار شریف حضرت بل کے متولی جناب عبدالرحیم بانڈے تعزیت کے لئے تشریف لائے وہ بھی حضرت میاں نظام الدینؒ سے بیعت تھے۔ بانڈے صاحب سیدھے روضہ مبارک کی طرف چلے گئے وہ اُس وقت جلال میں تھے اُنھوں نے زیارت شریف کا دروازہ بند کردیا آدھا گھنٹہ اندر رہے پھر میاں لعل الدین عرف لالہ بھائی سے دریافت کیا کہ "میاں بشیر احمد صاحب کہاں ہیں" پھر میاں صاحب سے ملاقات ہوئی اور فرمانے لگے "میں نے قسم کھائی تھی کہ باباجی صاحبؒ بات کریں گے تب باہر آنوں گا" میں اندر چلا گیا دس منٹ کے اندر اپنے مرشد اور باباجی صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی اور اُنھوں نے مجھے حکم دیا کہ "آپ کے پاس جو سلسلہ کی امانت ہے وہ بشیر احمد صاحب کے سر پر رکھو" میں اللہ کے حکم پر اور حضرت باباجی صاحبؒ کے کہنے پر آپ کی دستار بندی کرتا ہوں پھر جناب بانڈے صاحب نے میاں صاحب کو سری نگر درگاہ آثار شریف حضرت بل مدعو کیا اور دوبارہ دستار بندی کی۔[1]

☆ میر غلام رسول نازکی کا حاجی بابا کی تاریخ وفات نکالنا

حضرت حاجی بابا صاحب کے وصال سے تین سال پہلے ۱۹۶۹ء میں میر غلام رسول نازکی نے موصوف کی تاریخ وفات نکالی تھی اُس میں لکھا تھا۔ .... کہ روح نظام الدین بہ محمد نشست[2]

---

[1] حضرت میاں بشیر احمد...... آپ کی ڈائری کا ایک ورق ۱۱ نومبر ۱۹۷۲ء [2] اشعار نظامی مختصر تعارف صفحہ ۹ تا ۲۳ چودھری اقبال عظیم۔ [3] مرحوم عبدالحق برق

حضرت میاں نظام الدینؒ کا حوصلہ، عادات، اطوار اور اخلاق

میاں نظام الدین لارویؒ کے بارے میں مولانا مہر الدین قمر (راجوروی) یوں رقمطراز ہیں۔

حولیہ :۔ ''پیشانی نورِ اعلیٰ نور، جس سے نور کو ظہور سینہ نور، معرفت سے معمور، کتابی چہرا قد دوہرا بلکہ تر یرا، خوبصورت آنکھیں، آنسو میں ڈوبی ہوئیں جیسے نور میں ڈھلے ہوئے دو نورانی بلب، دانت سفید شہانہ رعب، سکندری اقبال، عالمگیری جلال، محمدی خصال، یوسفی جمال، زبان میں مٹھاس، عمل میں اخلاص، کردار اور گفتار میں یکسانیت، مریدوں میں پیر، پیروں میں باتدبیر، باتدبیروں میں مشیر، مشیروں میں بدر منیر، وطن کشمیر دل بیدار، آنکھیں اشکبار، نگاہ ہوشیار ہر ایک سے باوفا، گمراہوں کے رہنما، چاہنے والوں کے دل رُبا، بیگانوں کے لئے بھی حور وعطا، عاشق قرآن فنافی الرحمان، دل جوئی میں نرم حق، گوئی میں سکت، نہ غرور کی مٹی لگی، نہ تکبر کا پانی پیا درویشی اور استغنا، طبیعت میں اس طرح رچی ہوئی جس طرح چمیلی کے پھولوں میں خوشبو متحمل بھی تیز بھی طبع بھی حلیم بھی سخت گیر بھی فیاض بھی، انتہائی دلیر بھی، اور حق گو بھی، واعظ اور مجلس پیر بھی، صوفی اور گوشہ گیر بھی، خُدا شناس عارف بھی، دلق پوش درویش بھی، شعلہ مقال خطیب بھی، انقلاب آفرین قاعد بھی، معجز بیان مقرر بھی، قادر الکلام شاعر بھی، ایک سیاست دان کی حیثیت سے آپ کا رعب اور دبدبہ بھی ہے۔ ایک بزرگ اور خدا پرست صوفی ہونے کی حیثیت سے لوگوں کو اُن سے والہانہ عقیدت بھی ہے۔ صاحب لفظ اور مستجاب الدعوات بھی ہیں لہجہ سنگین بھی ہوتا ہے اور رنگین بھی جب مجمع میں ہوں تو مجمع گوش بر آواز رہتا ہے۔ اُن کی تقریر قاہری اور دلبری کا مجموعہ ہوتی ہے۔ موتی بکھیرتے ہیں اور قسمت والے جھولیاں بھر کر لے جاتے ہیں۔ اکثر یہ الفاظ دوہراتے ہیں کہ انسان کی فضیلت علم سے ہے۔ نسبت سے نہیں کمال سے ہے۔ جمال سے نہیں ادب سے ہے لباس سے نہیں۔

لباس اور خوراک :۔ کھانے کے معاملے میں موصوف بڑے خوش ذائقہ تھے۔ بہترین غذا لیتے تھے۔ صاف ستھری خوارک پسند کرتے تھے۔ احتیاط تھا کہ اس میں حرام کی چیز شامل نہ ہو۔

دودھ لسی اور مکی کی روٹی کے شوقین تھے چہرے پر نور اور جلال رہتا تھا۔ عام طور پر شلوار قمیض، واسکٹ اور اچکن پہنتے تھے۔ سر پر افغانی کلا اور لنگی بھی باندھتے تھے سن ۱۹۶۰ء کے بعد قراقلی ٹوپی بھی استعمال میں لاتے تھے۔ جوانی کے ایام میں برجس بھی زیب تن کیا کرتے تھے۔ نہایت صاف شفاف اور اُجلے کپڑے پہنتے تھے۔ کپڑا اعلیٰ قسم کے درزی سے سلواتے تھے دن میں دو بار غسل کرتے تھے۔

دنیاداری کی چیزوں سے زیادہ رغبت نہ تھی البتہ مریدوں کے ساتھ جو تعلقات تھے اُن کے باعث آپ کو زندگی کا ہر شوق پورا کرنے کا موقع مِلا جو کچھ بھی حضرت کے دل میں آیا اللہ تعالیٰ نے اُس کو پورا کر دیا۔ لیکن آپ کے شوق اسلام کے دایرہ کے اندر تک ہی محدود تھے۔ آپ کو گھوڑ سواری کا بہت شوق تھا اچھا گھوڑا آپ کے اصطبل میں موجود ہوتا تھا جوانی کے ایام میں شکار کا شوق تھا اور شکار کھیلنے دور افتادہ چراگاہوں میں جا کر لوگوں کے درمیان رہتے اُن کی سماجی اور دینی اصلاح کرتے تھے۔

مجالس:-[1] حضرت ہر روز دربار پر مجلس کیا کرتے تھے سینکڑوں لوگ آپ کی مجلس میں شریک ہوتے تھے آپ دن میں دو بار دربار لگاتے تھے لوگ آپ کے روبرو پیش ہوتے اپنا دُکھ درد سُناتے اپنے مسائل بیان کرتے دینی معاملوں میں رہنمائی حاصل کرتے اور روحانی طور پر آپ سے فیضان حاصل کرتے تھے یہ مجالس جو زیادہ تبلیغی اور روحانی ہوتی تھیں۔ ان کے ذریعے آپ کا پیغام ریاست جموں و کشمیر کے کونے کونے تک پھیلتا تھا آپ مریدوں کی دینی نشوونما کرتے دنیاوی طور پر رہبری کرتے سماجی بدعتوں کے بارے میں آگاہ کرتے اُن سے باز رہنے کی تلقین کرتے اور معاشی معاملوں میں آگے بڑھنے کی تقویت دیتے تھے شام کو مجلس آرائی کا انداز بڑا منفرد ہوتا تھا۔ عشا کی نماز کے بعد عقیدت مندوں کے ساتھ بیٹھتے قبیلوں خاندانوں اور علاقوں کے بارے میں گفتگو کرتے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ کی باتیں ہوتیں اور پھر مہمانوں کے ساتھ گھل مل جایا کرتے تھے۔

سیاست:-[2] ریاست جموں و کشمیر کی سیاست میں حضرت میاں نظام الدینؒ کا قد بہت اونچا تھا آپ کو ۱۹۳۱ء سے ہی تحریک حُریت کشمیر کا اہم ستون مانا جاتا تھا۔ لیکن آپ کی سیاست کا خمیر روحانیت کے جذبوں سے اٹھا تھا اور آپ کی سیاست صرف عوام اور پسماندہ و پچھڑے طبقوں کو اُن کا حق دلانے تک ہی محدود تھی آپ خود

---

[1] چودھری اقبال عظیم۔ [2] میاں جنید نظامی

سیاست میں آنے کے خواہش مند نہ تھے بلکہ ریاست کے دبے کچلے عوام نے آپ کو اُن کے حق کے لئے لڑنے پر آمادہ کیا تھا آپ نے اُس وقت تک سیاست کی جب تک ضمیر نے آپ کو اجازت دی جب دیکھا کہ سیاست میلی اور گندی ہو رہی ہے تو اُسے میلے کپڑوں کی طرح اُتار پھینکا اور عبادت و ریاضت میں محو ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۶۴ء تک حضرت موصوف نے دینی تبلیغ اور روحانی فروغ کے ساتھ ساتھ ریاست جموں و کشمیر کے دبے کچلے بے سہارا مظلوم و محکوم اور غریب در غریب لوگوں کو زندگی کی دوڑ میں آگے لانے اور اُن کی فلاح و بہبود کے لئے بر سر پیکار رہے لوٹ کھسوٹ حق تلفی اور جبر استبداد عوامی استحصال کے خلاف صف آرا رہے اور معاشرے سے افلاس جہالت غفلت اور غربت دور کرنے کے لئے زبردست جد و جہد کی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دُنیا میں دو ہی طبقے ہیں ایک امیر اور دوسرا غریب طبقہ حکمران طبقہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے غریبوں کو سر آنکھوں پر بیٹھاتے تھے۔ جہاں کہیں بھی غریب اور محتاج دیکھا اُس کی طرف لپک پڑے اُس کا ہاتھ تھام لیا اور اُس کی مدد کرنے کو تیار ہو گئے آپ کی سیاست پاک صاف اور سیدھی ہوا کرتی تھی سچی بات مُنہ پر کہہ دیتے تھے اس لیے سب سیاست دان آپ سے ڈرتے تھے جتنی دیر بھی سیاست میں رہے اپنے دامن پر داغ نہ آنے دیا اور کبھی بھی اصولوں کے ساتھ سمجھوتہ نہ کیا آپ ۱۹۴۷ء میں پرجا سبھا کے ممبر بنے پھر ۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۷ء تک اسمبلی ممبر رہے اور حج بیعت اللہ کے بعد ۱۹۶۵ء میں سیاست سے کنارہ کشی کر کے ریاضت میں محو ہو گئے اور پھر زندگی کی شام تک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

سماجی پہلو:۔ میاں نظام الدین لارویؒ نے عوام میں پھیلی ہوئی سماجی بدعتوں کے خلاف زبردست مہم چلائی آپ نے زندگی بھر نشے کے خلاف جہاد کیا رشوت خوری اغوا کاری، چھوٹی عمر کی شادیوں سے معاشرے کو پاک کرنے کی کوشش کی سماجی طور پر آپ اخوت اور مساوات کے اصولوں پر کار بند رہے آپ دینی تبلیغ اور سماجی اصلاح کے لئے گاؤں میں غریبوں اور بے سہارا لوگوں کے گھروں میں جاتے تھے اُن کے بچھونوں پر سوتے تھے۔ اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ کیونکہ یہی اسلام کے سنہری اصول تھے۔ پھر گاؤں میں مجالس منعقد کرتے لوگوں کو اُن کی زبان میں دینی تبلیغ اور سماجی اصلاح کی باتیں کرتے انھیں بتاتے کہ سلسلہ پر کیسے کار بند رہنا ہے اسلام اور دین کی رو سے لباس کیسا ہونا چاہیے عبادت کیسے کرنی چاہیے، آپس میں کس طرح رہنا چاہیے دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھنا چاہیے آپ کے اندر اسلامی اخوت کے

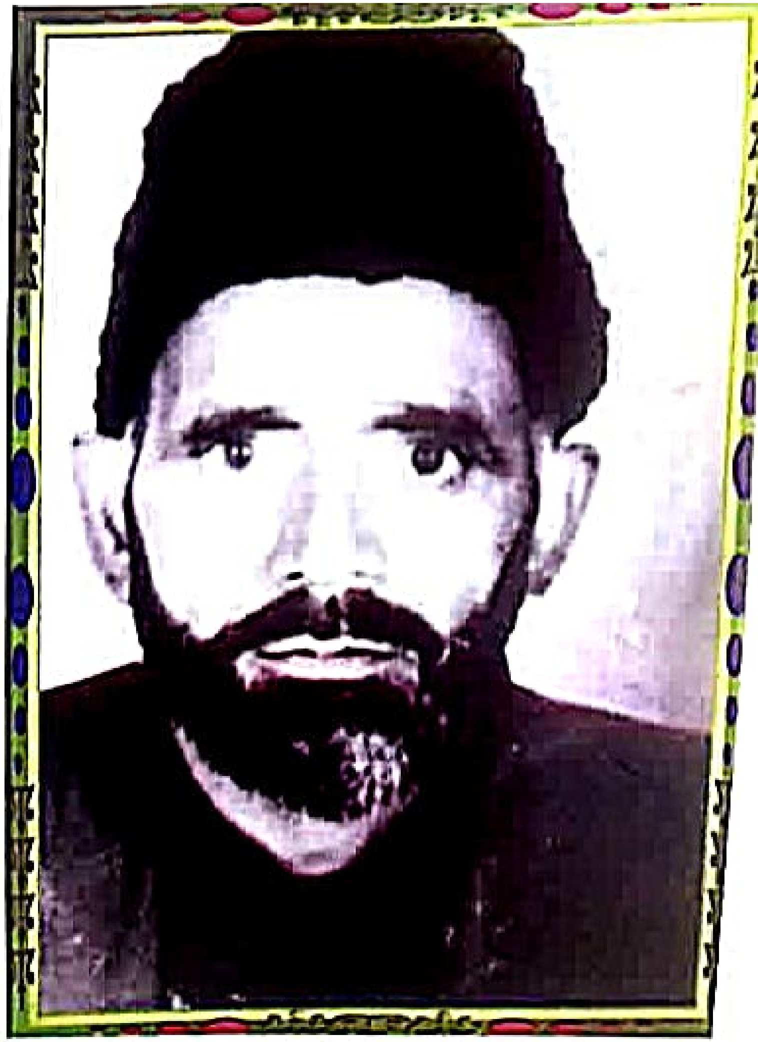
سوتے جاری تھے آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ذاتوں اور فرقوں سے اُوپر اُٹھ کر انسان کی خدمت کرو لوگوں کا درد بانٹو اُن کے دُکھ کا مداوا کرو۔ مشکل میں ایک دوسرے کے کام آؤ آپ کی اِن کاوشوں سے ریاست کے گاوں میں عوام کو سماجی طور پر بڑا حوصلہ ملا اور آگے بڑھنے کی ہمت ملی۔

صوفیانہ رنگ:۔ میاں نظام الدینؒ سالک صوفی تھے اور اسلام کے دایرہ کے اندر تصوف کے حامی تھے آپ پنجابی کے بہت قدآور صوفی شاعر تھے صوفیانہ شاعری سے آپ کو بے حد پیار تھا۔ صوفی شاعروں کے متلاشی رہتے تھے اکثر خصوصی مجالس دربار شریف پر منعقد کرتے تھے اور صوفی شاعروں سے کلام سُنتے اور اپنا کلام سنایا کرتے تھے صوفی شاعروں کی سنگت میں رہنے کا بہت شوق تھا۔ ۱۹۲۵ء ۱۹۴۵ء کے دوران آپ نے جی بھر کر صوفیانہ شاعری کی اور انسانی ذات کے ذات پاک کے ساتھ رشتوں کو رموز کے ذریعے بیان کرتے رہے۔ آپ کی شاعری عوام میں اِس حد تک مقبول ہے کہ لوگوں نے اِس کلام کو حفظ کر کے ریاست کے دور دراز علاقوں تک پہنچایا ہے اور گلوکاروں نے اِس کلام کو گا کر ریاست جموں وکشمیر کے دونوں خطوں میں منظر عام پر لایا ہے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ اشعار نظامی کے نام سے آپ کے وصال کے بعد شائع ہوا جو ۲۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۵ء میں پہلی بار محکمہ اطلاعات نے شائع کی اس کے دو مزید ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

رواداری:۔ میاں نظام الدینؒ مذہبی تھے متعصب نہ تھے وہ کہا کرتے تھے کہ ''جو شخص مذہبی ہوگا وہ متعصب نہیں ہو سکتا اور جو شخص متعصب ہوگا وہ مذہبی کبھی نہیں ہو سکتا'' حضرت پر کشمیر کے صوفی فلسفے کی گہری چھاپ تھی۔ جس میں ہر مذہب کی عزت کرنا اور برداشت اور احترام کے جذبوں کو فوقیت حاصل تھی حضرت چونکہ ایک بہت بڑے اولیا تھے اور روحانی جذبوں سے سرشار تھے اس لئے آپ کا پیغام آفاقی تھا وہ بلا امتیاز مذہب وملت رنگ ونسل ذات وفرقہ سب کو اچھائی اور برائی کے ترازو پر پرکھتے تھے۔ آپ بڑے روادار تھے آپ کے حلقے میں سب ذاتوں فرقوں اور مذہب کے لوگ شامل تھے آپ کی روحانیت کے سرچشمے سے سب لوگ فیض حاصل کرتے تھے علاقہ پونچھ راجوری میں بہت سے ہندو خاندان بھی آپ کا احترام کرتے تھے موضع ہاڑی مرہوٹ میں کرشن لعل مِنی نے اپنے گھر میں حضرت کیلئے ایک کمرہ مخصوص رکھا ہوا تھا، کشمیر میں لار علاقہ کے کچھ پنڈت گھرانے بھی آپ کا پیر کے ناطے بہت احترام کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۷۲ء جب آپ کا وصال ہوا تو سوگواروں میں سینکڑوں کی تعداد میں ہندو سکھ اور کشمیری پنڈت بھی شامل تھے۔

دینی رنگ:- میاں نظام الدینؒ نے تمام زندگی سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے فروغ دین اسلام کی تبلیغ اور روحانی جذبوں کی آبیاری میں گزاردی دین کی تبلیغ کا کام حضرت کو والد محترم سے وراثت میں ملا تھا۔ اس لئے وہ دین اسلام علم دین اور روحانی آگاہی سے بچپن سے ہی سرفراز تھے۔ آپ کے کلام لہجے چال ڈھال اور انداز میں اسلامی اخوت مساوات اور اسلامی اصولوں کی جھلک ملتی تھی۔ آپ نے ہر لحاظ سے قبلہ باباجی صاحب کے مشن کو آگے بڑھایا۔ بلکہ اُس میں عوام کے سماجی اصلاحی اور معاشی پہلو شامل کیے اور وسعت دے کر لوگوں کو راہ حق کے ساتھ ساتھ دُنیا میں آگے بڑھنے عزت کے ساتھ جینے اور پھولنے پھلنے کی راہ بھی دکھائی۔ آپ بلند پایا ولی تھے اور دُنیا داروں میں رہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تحت زندگی گزارنے میں یقین رکھتے تھے اگر چہ سالک صوفی تھے اور آپ پر صوفیانہ رنگ طاری تھا لیکن اصلی رنگ اسلام کا ہی تھا آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کو فروغ دینے کے لئے گاؤں گاؤں جا کر مجالس کیں لوگوں کی زبان میں اسلام کے سنہری اصولوں کو سمجھایا اور اُنھیں سلسلہ کے ساتھ جوڑا آپ بہت بڑے دینی مفکر اور مبلغ تھے امامت کو اکثر ٹال دیتے بلکہ امام صاحب کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے تھے۔ عقیدت مندوں سے ملنے ملانے کے بعد عبادت اور ریاضت کے لئے اپنے کمرے میں جا کر محو ہو جاتے تھے۔ آپ نے ایک سچے مذہبی شخص کی زندگی گزاری اور وہی کیا جو اسلام میں جائز تھا پانچوں وقت نماز بلا ناغہ پڑھتے تھے۔ حضرت کو دولت سے رغبت نہ تھی۔ آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ یہ دُنیا مسافر خانہ ہے۔ اس میں جو کچھ اللہ تعالیٰ سے عنایت ہوتا ہے۔ اُسے اللہ کے نام پر دے دینا چاہیے۔ وہ ہی اصل دولت ہے۔" روزمرہ کے مطالعہ میں آپ اسلامیات پر کتابیں پڑھا کرتے تھے اسلامی تاریخ پر گہری نظر تھی اسلامی تاریخ کے واقعات زبانی یاد تھے حاجی بابا ایک بے مثال اور بے بدل دینی اور روحانی شخصیت تھے آپ کی دینی و روحانی عظمت کی خوشبو ریاست جموں و کشمیر کے کونے کونے میں اور ہندوستان کے دیگر علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی

خاندان:- میاں نظام الدینؒ دو بھائی تھے بڑے بھائی کا نام حضرت میاں رُکن العالم تھا آپ مادر زاد ولی تھے اور بچپن سے ہی آپ نے اپنے روحانی فیض سے لوگوں کو فیض یاب کرنا شروع کر دیا تھا لیکن آپ کا وصال کمسنی میں ہی ہو گیا آپ کی آخری قیام گاہ لامن وانگت میں موجود ہے جہاں عقیدت مند حاضری دینے جاتے ہیں۔ حضرت میاں رکن العالم کے وصال کے بعد حضرت میاں نظام الدینؒ کی ولادت ہوئی والد



حاجی عبدالرشید



عبدالطیف



مولوی شرف الدین

"دربار باباجی صاحبؒ کے معتمد"



عرس شریف کے دوران عقیدت مندوں کے مناظر



محترم حضرت باباجی صاحبؒ نے آپ کا نام عبدالطیف رکھا لیکن دربار کنیاں شریف کے ولی حضرت خواجہ نظام الدین کیانویؒ نے لاروی خاندان کے ساتھ خلوص کے ناطے آپ کا نام بدل کر اپنے نام پر میاں نظام الدین رکھا اور آپ اسی نام سے مشہور ہوئے۔ حضرت میاں نظام الدینؒ کی تین بہنیں بھی تھیں۔ بڑی بہن کا نام بی بی زینب تھا۔ جن کا نکاح حضرت باباجی صاحبؒ کے بھانجے حضرت میاں احمد جی سے ہوا تھا۔ جو دربار لار میں خطیب تھے۔ آپ کے بطن سے تین بیٹے یعنی میاں لعل دین، میاں محمد یاسین اور میاں غلام محی الدین پیدا ہوئے۔ دوسری بہن کا نام بی بی زیتون جی تھا جن کی شادی وانگت میں ہی محمد اسرائیل صاحب سے ہوئی تھی۔ آپ کی کوئی بھی اولاد زندہ نہ رہی سب سے چھوٹی بہن کا اسم شریف بی بی حاجرہ جی تھا۔ جن کی شادی میاں محمد اکبر کے ساتھ ہوئی جو حاجی بابا کے دست راس ہوا کرتے تھے۔ آپ کے بطن سے میاں اقبال عظیم اور اُن کی دو بہنیں عائشہ بیگم اور رشیدہ بیگم کی ولادت ہوئی۔ حضرت میاں نظام الدینؒ نے پانچ شادیاں کیں تھیں۔ لیکن بیک وقت چار بیگمات ہی نکاح میں رہیں۔ کیونکہ تیسری اہلیہ محترمہ مائی نور بی بی جوانی میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔

بڑی اہلیہ محترمہ کا نام مائی خنیجہ جی تھا جن کا تعلق دارہ فقیر گجری کے پھامڑہ گجر خاندان سے تھا آپ کے بطن سے غلام جیلانی اور محمد اسماعیل صاحب کی ولادت ہوئی۔ دوسری اہلیہ محترمہ کا نام مائی غلام فاطمہ تھا۔ جو اپنے وقت کے اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ کے بطن سے چار بیٹے یعنی میاں بشیر احمد صاحب، میاں جنید احمد میاں جاوید احمد اور میاں اشتیاق احمد ہیں۔ تیسری شادی کوہلی خاندان سے تعلق رکھنے والی مائی نور بی بی سے ہوئی۔ جن کے بطن سے جناب غلام ربانی صاحب تھے۔ چوتھی شادی علاقہ گواس کے جاگل خاندان میں ہوئی۔ جن کا نام بوئی ماں تھا جن سے میاں رشید صاحب ہیں۔ یہ نکاح مائی نور بی بی صاحبہ کے رحلت فرمانے کے بعد ہوا تھا۔ آخری شادی صوبہ جموں کے علاقہ کوٹلی کے حضرت الف دین باجی صاحبؒ کی پوتی مائی ذالحیا صاحبہ سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے میاں شبیر احمد ہیں۔ بھائیوں میں سب سے بڑے میاں بشیر احمد صاحب ہیں۔ حضرت میاں نظام الدینؒ کی اٹھارہ بیٹیاں ہوئیں جن میں سے بڑی بیٹی ذاکرہ صاحبہ تھیں جن کی شادی لالا بھائی کے ساتھ ہوئی تھی ایک اور بیٹی زہرہ جی کا نکاح سید نوران صاحب شاہؒ کے صاحبزادے عبداللہ شاہ آزاد سے ہوا جو ''آزاد کشمیر'' میں وزیر تعلیم رہ چکے ہیں۔

عُرس شریف

میاں نظام الدین لاروئیؒ کا عرس شریف ہر سال تین شوال کو منایا جاتا ہے دو شوال کو ہی عقیدت مندوں کی آمد و رفت جاری ہو جاتی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں مرد عورتیں بوڑھے بچے بلا امتیاز ذات و فرقہ عرس شریف میں شامل ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں۔ تین شوال کو قرآن خوانی اور ختمات کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔
درگاہ شریف پر عقیدت مندوں کا ہجوم برقرار رہتا ہے اور لنگر خانے کی طرف گہما گہمی کا سا ماحول ہوتا ہے۔ چار شوال کی صبح کو سجادہ نشین حضرت میاں بشیر احمد دربار پر تشریف لاتے ہیں۔ جہاں دعائیہ مجلس منعقد ہوتی ہے اور ہزاروں لوگ اس دُعا میں شریک ہوتے ہیں بابا صاحب کی طرف سے دُعا کے بعد عرس شریف کی تقریبات اختتام پذیر ہوتی ہیں اور پھر لنگر میں کھانا تناول فرمانے کے بعد زائرین اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

حضرت میاں نظام الدینؒ کی نوازشیں اور کرامتیں

ریاست جموں و کشمیر کے معروف دانشور اور ادیب چودھری اقبال عظیم کے مطابق کرامت اولیائے کرام کے پاس قدرت کی طرف سے عطا کردہ ہتھیار ہوتی ہے۔ جب انسان کے لئے سارے راستے بند ہو جاتے ہیں اور فطرت کے اصولوں کے مطابق لڑائی نہیں جیتی جا سکتی اور لاعلاج بیماریاں والا دواؤ کھ جن پر قابو پانا ممکن نہیں ہوتا تو اولیائے وقت روحانی کشف سے کرامات کے ذریعے اُن کا حل نکالتے ہیں اور فیض یاب کرتے ہیں۔ ولی اللہ اور کامل فقیروں کی کرامتوں سے دُکھوں کا مداوا ہوتا ہے۔ محتاجوں کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ بیماروں کو شفا ملتی

ہے۔اور بے سہاروں کو سہارا حاصل ہوتا ہے۔حضرت میاں نظام الدینؒ اپنے وقت کے عظیم ترین ولی تھے۔اُن کے اندر روحانیت کے چشمے رواں تھے۔جن سے لوگوں کی روحانی تشنگی دُور ہوتی تھی۔موصوف جومنہ سے ارشاد فرماتے تھے۔قبول ہو جاتا تھا۔آپ نے بنی نوانسان کے لئے ایسے راستوں کو کھود نکالا جس پر گامزن ہو کر لوگ منزل تک پہنچ سکتے تھے۔موصوف سے سینکڑوں کرامتیں منسوب ہیں جن کے ذریعے عوام کو راحت ملی اور اُن کی زندگی میں خوشیاں لوٹ آئیں۔یہاں ہم اختصار کے ساتھ حضرت موصوف کی چند کرامتوں کا ذکر کریں گے۔

(ا) ڈی،ایس،پی،چودھری رفیق احمد مینڈھر بتاتے ہیں کہ میرے والد حضرت میاں نظام الدینؒ کے ہاتھوں بیعت ہوئے تھے اور اکثر دربار شریف پر حاضری دینے جایا کرتے تھے۔ایک بار وہ حضرت کے ساتھ وانگت گاؤں کی سیر کو نکلے اُس وقت اُنکے ہاتھ میں تسبیح تھی وہ ورد کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔جب وانگت کے پُل کو پار کرنے لگے تو تسبیح ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں جا گری بہت ڈھونڈا گیا مگر تسبیح نہ ملی اور اُچھلتی پہاڑی ندی میں غائب ہوگئی حضرت نے دریا کے پار ایک درخت تلے بیٹھ کر مجلس لگائی اور یہ شعر ارشاد فرمایا۔

سر کاہنوں پٹکیں پتھراں تے
کس دی یاد وچ تیز رفتار ہیں توں
کس دے حُسن لئی دِنے راتیں
بل پیچ کھاندی بے قرار ہیں توں

پھر مجلس برخاست ہوئی اور وہ واپس آگے تقریباً چھ ماہ کے بعد رفیق صاحب کے والد پھر وانگت شریف گئے اور ایک دن حضرت عقیدت مندوں کے ساتھ پھر وانگت کی سیر کو نکلے تو رفیق صاحب کے والد بھی ساتھ تھے۔وانگت ندی کے پل کو پار کیا گیا دریا کی دوسری جانب پہنچے تو اُسی درخت کے قریب مریدوں کے ساتھ بیٹھ گئے کچھ عرصہ کے بعد حضرت کی نظر سامنے دریا کے ساتھ والی ریت پر پڑھی جہاں ایک نہایت ہی خوبصورت پھول کھلا ہوا تھا حضرت نے رفیق صاحب کے والد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ اللہ کی قدرت دیکھو سوکھی ریت ہے پت جھڑ کا موسم ہے سخت سردی ہے اس کے باوجود گھاس کے اس سبز پودے پر دیدہ زیب پھول کھلا ہوا ہے پھر ایک

مرید سے کہا اس پھول والے پودے کو جڑ سے اکھیڑ لا و اِسے گل دان میں رکھیں گے مرید نے ریت میں سے پودے کو اکھیڑا تو اُس کے نیچے وہ تسبیح پائی گئی جو چھ ماہ قبل حضرت کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں جا گری تھی یہ کرامت دیکھ کر سب لوگ دنگ رہ گئے۔

(۲) سوکڑ راجوری کے پیر نثار حسین شاہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت میاں نظام الدینؒ علاقہ درہال سوکڑ میں سید جہان شاہ کے گھر مہمان تھے تو میاں بشیر احمد صاحب کے بارے میں ذکر ہوا۔ موصوف فرمانے لگے کہ ''حضرت باباجی صاحبؒ نے بشیر صاحب کو اپنی زبان مبارک چوسا کر روحاینت کے جذبے منتقل کئے ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے روحانیت کے حساب سے کوئی اُن کا شریک نہیں ہوسکتا کاش ایسا میرے ساتھ بھی ہوتا میں بشیر سے روحانیت کے معاملوں میں ڈرتا ہوں۔ شریعت کے لحاظ سے میں اسے اپنا فرزند تصور کرتا ہوں۔ البتہ طریقت کے لحاظ سے روحانی بھائی مانتا ہوں کیوں کہ جو مہربانی ان پر ہے مجھ پر نہیں۔''

اس دورے میں آپؒ درہال میں پہنچے تو وہاں ہندو برہمن کیول شرما کے دادا دوسرے ہندوں کو لے کر آپ کے استقبال کے لئے حاضر تھے حضرت نے پوچھا کہ'' کیوں اکٹھے ہوئے ہو'' اُن ہندوں نے کہا'' آپ سانجھے ولی ہیں۔ ہمارے خاندان میں ایک شخص کو جذام ہوگیا ہے اِس کے لئے بھی دُعا کریں'' پھر اُس شخص کو حضرت کے روبرو پیش کیا گیا حضرت نے اُسے پھونک ماری دُعا کی اور ارشاد فرمایا کہ'' آج کے بعد اس کی بیماری رفع ہو جائے گی۔ اور اب اس کو اپنے عیال کے ساتھ رکھو کچھ دنوں کے اندر وہ شخص بالکل ٹھیک ہوگیا۔''

(۳) ایک بار راجوری سے جذام میں مبتلا ایک شخص دربار شریف پر پہنچا لنگر میں آیا لیکن اُسے کھانا نہ ملا نہ کسی نے اُسے اندر جانے دیا رات کا وقت تھا سردی کا موسم تھا وہ شخص باہر بیٹھ گیا۔ اندر حضرت سوئے ہوئے تھے اسی عالم میں حضرت کو خواب میں حضرت باباجی صاحبؒ نے اپنا جلوہ دکھایا اور میاں نظام الدینؒ سے فرمایا کہ'' تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ باہر نکل کر دیکھو کسی کو آپ کی ضرورت ہے۔ یک لخت حضرت جاگ گئے اور اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو واقعی باہر ایک شخص سردی میں ٹھٹھر رہا تھا۔ حضرت نے پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ میں راجوری سے آیا ہوں بڑی مرض میں مبتلا ہوں مجھے کسی نے اندر نہ جانے دیا نہ لنگر سے روٹی ملی اس لیے آپ کے کمرے کے باہر آیا ہوں آپؒ نے اُسے اندبلایا باروچی خانہ میں پکا ہوا رات کا کھانا اُسے کھلایا دلاسہ دیا حوصلہ

بڑھایا اور مسافر خانے میں سونے کے لئے بھیج دیا دوسرے دن صبح سے اُس کو افاقہ ہونے لگا کچھ عرصہ وہ دربار پر رہا اور پھر ٹھیک ہو کر واپس راجوری گیا۔

(۴) چودھری اقبال عظیم بتاتے ہیں کہ ۱۹۶۸ء کے آس پاس حضرت میاں نظام الدینؒ نے درگاہ شریف کی چھت کھول کر از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا اور فرمایا کہ اس کام کو صرف خاندان کے آدمی انجام دیں گے اور یہ خدمت اُن کے لئے فرض ہے۔ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خاندان کے تمام لوگ زیارت شریف پر آگئے۔ چھت کھولنے میں بڑا احتیاط رکھا کہ کوئی چیز تُربت پاک پر نہ آئے اس لئے میاں غلام جیلانی صاحب اور میں جاوید نظامی صاحب شہتیر ہاتھوں پر تھام کر آگے سرکا رہے تھے پتہ نہیں اتنی طاقت ہمارے ہاتھوں میں کیسے آگئی تھی ہم نے بیم کو اُنگلیوں پر اُٹھایا ہوا تھا اسی دوران علاقہ پونچھ کے ایک قدآور شخص جن کی چھاتی بڑی چوڑی تھی وہاں آگیا اور خدمت کے لئے آگے بڑھا، سب نے روکا اسی دوران ہم میں سے ایک وضو تازہ کرنے کے لئے گیا۔ وہ شخص چھلانگ مار کر اوپر چڑھ آیا حاجی بابا دیکھ رہے تھے مگر کچھ نہ بولے اُس نے ایک طرف سے شہتیر پکڑی جیسے ہی شہتیر پکڑ کر وہ اُسے اُوپر اُٹھانے لگا۔ دور جا گرا اور بے ہوش ہو گیا بابا صاحب نے فرمایا میں نے کہا تھا کہ "یہ کام گھر کے آدمی انجام دیں گے۔ اس نے کیوں ہاتھ لگایا خاندان کے افراد کے علاوہ کس کی طاقت ہے کہ اس بیم کو ہاتھ لگا سکے۔" پھر ہم سب بھائیوں نے شہتیر کو احترام کے ساتھ انگلیوں پر اُٹھایا اور کام مکمل کر لیا۔

(۵) ایک دفعہ اوڑی کا ایک آدمی جو جذام کے مرض میں مبتلا تھا حضور حاجی بابا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس کے ہاتھوں کی انگلیاں جھڑی ہوئی تھیں۔ اور بڑی مُشکل سے اُس نے چھڑی کے ایک حصے کو تھام کر رکھا ہوا تھا۔ جس کے دوسرے حصے میں اُس نے شہد کا ایک برتن باندھا ہوا تھا۔ عرض کی کہ حضور میں اس برتن میں شہد آپ کے لئے لایا ہوں میں نے برتن کو سوٹی سے باندھا ہے اور اپنے جسم سے دور رکھا ہوا ہے۔ آپ اسکو قبول فرمائیں۔ اُس وقت سید نوران شاہ صاحبؒ کو رخصت کرنے میں مصروف تھے جو وانگت آئے ہوئے تھے۔ پھر اس شخص کے ان جملوں کی طرف توجہ دی اُس کی حالت دیکھ کر اور اُس کی باتیں سُن کر آپ رو پڑے اور بڑے جلال سے فرمایا "آؤ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے آج تمہیں اچھا کر دے گا یا پھر میرا حال بھی تیرے جیسا ہو جائے گا۔" پھر موصوف نے اُسے سینے کے ساتھ لگایا اور روتے ہوئے فرمایا۔ "جاؤ اس درخت کے نیچے بیٹھ کر اللہ تعالیٰ

کی رحمت کا تماشا دیکھو۔'' وہ شخص اچھا ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد اُس کی شادی ہوئی اور وہ لار بابا نگری کے لنگر میں ایک عرصے تک خدمت انجام دیتا رہا۔

(٦) ضلع ہسپتال پونچھ کے سپرینٹنڈنٹ محمد یونس بتاتے ہیں کہ آپ کے والد حاجی بابا کے مریدوں میں سے تھے اور اُن کے ہاتھوں بیعت ہوئے تھے۔ ایک بار آپؒ ہرنی مینڈھر دورے پر تشریف لائے۔ وہاں ایک درویش سائیں گوانی رہتا تھا اور کچھ عرصہ پہلے وفات پا گیا تھا۔ حضرت میرے والد کے ساتھ فاتحہ پڑھنے قبرستان پہ گئے اور پوچھا ''بتاؤ اُن کی قبر کون سی ہے۔ میرے والد نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا تو حضرت وہاں کھڑے ہو کر دُعا کرنے لگے۔ لیکن دُعا سے پہلے ہی اُس قبر سے پیچھے ہٹ گئے اور میرے والد سے کہا یہ سائیں گوآنی کی قبر نہیں ہے۔ پھر خود ہی ایک دوسری قبر کے قریب جا کھڑے ہوئے اور دُعا کرنی شروع کر دی اسی دوران اور مقامی لوگ بھی موقع پر آ گئے اور اُنھوں نے نشاندہی کر دی کہ جس قبر کے سامنے حضرت حاجی بابا دُعا کر رہے ہیں وہی سائیں گوآنی کی قبر ہے اور جو قبر میرے والد نے دکھائی تھی۔ وہ کسی بڑھیا کی تھی وہ ایسے ولی تھے۔ جو قبروں میں مردوں کو دیکھ سکتے تھے۔ جو دل کے رازوں کو جان سکتے تھے جو بیماروں کو پھونک مار کر تندرست کر سکتے تھے اُن کا کیا کہنا۔[1]

---

[1] اشعار نظامی مختصر تعارف صفحہ ۹ تا ۲۳



میاں بشیر احمد صاحب سجادہ نشین دربارِ عالیہ حضرت باباجی صاحبؒ

متاعِ فقر و دانش

دکھار بابا جی صاحبؒ

(تاریخ کی روشنی میں)

تحقیق: کے ڈی مینی